بین

# الحقیقت والمجاز



مؤلفہ

فاضلِ جلیل حضرت مولانا مولوی محمد نبی بخش حلوائی رحمۃ اللہ صاحبِ تفسیرِ نبوی

مکتبۂ نبویہ گنج بخش روڈ ◎ لاہور

مسائلِ علمِ غیب ○ اِستمداد ○ تصرّفِ اولیاء اللہ پر

ایک لاجواب کتاب

# الامتیاز

بین

# الحقیقت والمجاز



مؤلفہ

فاضلِ جلیل حضرت مولانا مولوی محمد نبی بخش حلوائی رحمہ اللہ صاحبِ تفسیرِ نبوی

مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ ○ لاہور

کتاب ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ الامتیاز بین الحقیقت والمجاز،

مصنف ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مولینا محمد نبی بخش حلوائی رحمۃ اللہ علیہ مؤلف تفسیر نبوی،

موضوع ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ علم غیب۔ استمداد۔ اور تصرف اولیا اللہ

صفحات ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۴۴

سائز ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۸ × ۲۲ / ۸

سال طباعت ایڈیشن اوّل ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۹۶۶ء

سال طباعت ایڈیشن سوم ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۹۹۳ء

طابع ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ الکتاب پرنٹرز۔ لاہور

ناشر ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مکتبہ نبویہ۔ گنج بخش روڈ لاہور

قیمت ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۳ روپے

# فہرست عنوانات

# حدیثِ رفتگان

پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی ایم اے

دورہا باید کہ تا یک مردِ حق پیدا شود
بایزید اندر خراساں یا اویس اندر قرن

تذکرہ نویس کا قلم جب بھی اہل اللہ کے سوانحی نقوش کو ترتیب دینے پر آمادہ ہوا تو مصنف کی معلومات اس کی رفتار کا ساتھ نہ دے سکیں۔ تاریخ پیدائش۔ بچپن کے مشاغل۔ عنفوانِ شباب کی جدّوجہد۔ جذب و سلوک کی منازل۔ جوانی کے کارنامے۔ احباب سے معاملات۔ معاصرین کے تاثرات۔ غرضیکہ مہد سے لیکر لحد تک، ہزاروں داستانیں۔ لاکھوں سرگزشتیں اور اَن گنت کیفیتیں ہوتی ہیں جو تذکرہ نویس کی نارسائی ذہن کا مذاق اُڑاتی ہیں۔ اس ناکامی کو چھپانے کے لئے ناظرین کی ضیافتِ طبع کے لئے کچھ محاسن و مناقب، چند فضائل و برکات اور خرقِ عادات کی ایک طویل فہرست اپنے دِلکش انداز میں پیش کر کے حقِ تالیف ادا کر دیا جاتا ہے۔ اہل اللہ کی زندگی کی وسعتوں کا اندازہ اسی حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ جہاں ہماری عِلمی معلومات نے ذرہ سے آفتاب کی بلندیوں قطرہ سے سمندروں کی گہرائیوں کا کھوج لگا لیا ہے وہاں اہلِ دل کی زندگی کے ایک لمحے کے اسرار و رموز کی جستجو کے لئے صدیاں گذار دیں مگر ناکامی کے سوا کچھ حاصل نہ ہو سکا۔ ہاں جس خوش قسمت نے بادۂ عرفان کا ایک گھونٹ پی لیا وہ سرمستِ محبّت اہل اللہ کا اس طرح رازدار بنا کہ اس کی اپنی خبر عنقا ہو گئی۔

کاں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد

دنیا کے شہنشاہوں، جنگجوؤں، فاتحین اور فرمانرواؤں کی داستانِ حیات لکھتے لکھتے اہلِ علم کے جس نکتہ آفرین قلم نے اپنے کمال کا لوہا منوایا۔ وہ ان گلیم پوش گوشہ نشینوں کی داستانِ حیات لکھنے لگا تو اپنے عجز کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکا۔ جہاں ہمارے عِلم کی سرحدیں ختم ہوتی ہیں وہاں سے اہل اللہ کی سوانحی منزل کا آغاز ہوتا ہے اور جہاں ہماری تگ و دَو کے پَر جلنے لگتے ہیں۔ وہاں سے اہلِ دل کا قدم اوّلین اٹھتا ہے

درجستجوئے ما نہ کشی زحمتِ سراغ
آنجا رسیدہ ایم کہ عنقا نمی رسد

ایسی ہی نارسائی معلومات کا معاملہ ہمیں بھی درپیش ہے۔ حضرت مولینا محمد نبی بخش حلوائی رحمۃ اللہ علیہ کی سادہ زندگی کے حالات قلمبند کرنے بیٹھے تو یوں معلوم ہوا کہ ابھی ابھی ہم سے جدا ہوئے ہیں۔ ابھی تک انکی دلنواز آواز کانوں میں گونج رہی ہے۔ ابھی تک انکا شہر اپنی انقلابی آویزشوں کا گہوارہ ہے۔ ابھی وہ گلیاں اسی حالت میں ہیں جہاں وہ آیا جایا کرتے تھے۔ ابھی لاہور کے کوچہ و بازار میں ان کے نقش پا ملتے ہیں ابھی ان کے اعزہ و اقارب ان کی باتیں سنانے کو زندہ ہیں۔ ابھی ان کے معاصرین ان کے علمی رموز و نکات کو نہیں بھولے مگر ہمارے لئے یہ سارے اسباب اتنے ناکافی ثابت ہوئے کہ ان کے بحرِ اوصاف سے ایک قطرہ بھی حاصل نہ کر سکے۔ ؎

ما ہمچناں در اوّل وصفِ تو ماندہ ایم

دراصل اہل اللہ کی زندگی میں لیل و نہار کی گردش، حوادث زمانہ کے دنیاوی نشیب و فراز اور ہنگامی تحریکیں پرکاہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتیں۔ یہ چیزیں ایک دنیا دار کی زندگی کی متاع عزیز ہیں اور دنیا والے اس پر فخر بھی کرتے ہیں۔ مگر اہل اللہ گردش لیل و نہار سے بے نیاز ہو کر انسانیت کے ہر دور میں مہر و وفا کا سبق دیتے ہیں اور یہی ان کی زندگی کا نصب العین ہوتا ہے۔ ؎

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم
از ما بجز حکایتِ مہر و وفا مپرس

بادشاہوں کے مخصوص خاندان ہوتے ہیں۔ نسلاً بعد نسلاً سلطان ابن سلطان پیدا ہوتے چلے آتے ہیں۔ ایک کی موت دوسرے کی تاجپوشی کا پیغام لاتی ہے۔ تاج و تخت کی یہ وراثت حالات کے سنوارنے میں بڑی اہم ہوتی ہے اور اس طرح ان کی زندگی کے حالات پشت در پشت قلمبند ہوتے رہتے ہیں اگر کوئی نئی شخصیت اپنے زورِ بازو سے گمنامی کے کسی گوشہ سے ابھر کر دنیائے شہنشاہیت میں قدم رکھتی ہے تو اہل علم کے قلم اس کے حالات و مناقب لکھنے کے لئے جھک جاتے ہیں مگر درویشوں کے ہاں فلاں ابن فلاں کا سلسلہ ہی نہیں۔ یہاں خانوادوں، رنگوں، نسلوں اور شکلوں کو شمار میں ہی نہیں لایا جاتا۔ یہاں تو نگاہِ یار کی بے نیازیاں ہیں۔ اونٹوں کے ساربانوں کو عرب و عجم کی حکمرانی بخش دی جاتی ہے۔ بوریا نشین عرش نشین بن جاتے ہیں۔ تہیدستوں کو دنیا کی سلطنتوں کی تقسیم پر مامور کر دیا جاتا ہے اور کالے حبشیوں کو بیت الحرام کی چھت پر کھڑے ہو کر آذان دینے کا شرف بخشا جاتا ہے۔ رنگ و نسل پر ناز کرنے والے محروم رہ جاتے ہیں اور گمنام والدین کے نیاز مند بچے صف اوّل میں جگہ پاتے ہیں۔ ؎

بندۂ عشق شدی ترکِ نسب کن جامی — کہ دریں راہ فلاں ابنِ فلاں چیزے نیست

مخدومنا حضرت مولانا حلوائی رحمۃ اللہ علیہ قدرت کی فیاضی کا مظہر تھے۔ وہ لاہور کے ایک متوسط ارائیں گھرانے میں ۱۲۶۶ھ میں پیدا ہوئے۔ والدین کا سارا قبیلہ لاہور کے لئے سبزیاں اگاتا۔ لاتا اور فروخت کر دیتا آپ کے بڑے بھائی قادر بخش ہوشیار و ذہین نظر آتے تھے۔ والد میاں محمد وارث نے انہیں سکول کی تعلیم میں لگا دیا۔ حضرت مولانا لکنت زبان اور سادگی کی وجہ سے ایک حلوائی کے پاس فنِ معیشت کے لئے شاگرد بٹھا دیئے گئے۔ ہوشیار بھائی اپنی ہوشیاری کی بدولت نیری جماعت سے بھاگ کھڑے ہوئے اور پھر سکول کا منہ نہ دیکھا مگر سادہ لوح نبی بخش دکان کے کام سے فارغ ہو کر مسجد کے در و دیوار سے اتنا مانوس ہوئے کہ چند برسوں میں قرآن سیکھ کر ذوقِ تعلیم سے سرشار ہو گئے اور ایسی وابستگی حاصل کی کہ یہاں ہی عمر گزار دی۔ ابتدائی کتابیں مختلف علمائے کرام سے پڑھیں آپ کے اساتذہ میں سے مولینا معوان حسین خطیب شاہی مسجد۔ مولینا محمد ذاکر بگوی۔ غلام محمد بگوی۔ پیر سید عبدالغفار شاہ۔ مولانا غلام قادر بھیروی۔ حضرت مولانا غلام دستگیر قصوری اور جامعہ فتحیہ اچھرہ کے اساتذہ قابلِ ذکر ہیں۔ تحصیل علوم ظاہری کے بعد آپ حضرت مولانا غلام دستگیر قصوری قدس سرہ العزیز کی شہرت سے متاثر ہوئے تو روحانیت کی تربیت کا آغاز ہوا۔ آپ نے قصور ہی میں صاحبزادہ عبدالرسول بن غلام محی الدین قصوری سے بھی استفادہ کیا۔ حضرت مولینا غلام دستگیر کے روحانی فیض نے آپ کو صوفی۔ مصنف مفسرِ قرآن۔ مناظرِ اسلام اور اہلِ سنت والجماعت کا مایۂ ناز پنجابی شاعر بنا کر چمکایا۔ ان اللہ والوں کی نگاہوں میں کیا تاثیر ہوتی ہے کہ سادہ دلوں کو دانائے رموزِ فطرت بنا دیتے ہیں۔ مٹی کے ذروں کو اٹھا کر تاجِ شاہی کے چمکتے ہوئے موتی بنا دیتے ہیں۔

ز شتر ستارہ سازند ز ستارہ آفتابے

آپ کے ہم مسلک معاصرین میں سے حضرت مولانا دیدار علی شاہ۔ مولانا تاج الدین صاحب۔ مفتی عبدالقادر۔ حافظ فتح محمد اچھرہ۔ میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا نام سرِ فہرست ہے معاندین میں سے حافظ محمد لکھوی۔ مولوی دلپذیر۔ مولوی عبدالستار۔ سارجنٹ صاحب بہادر مؤلف تفسیر نجاتی وغیرہم عقاید کے مباحث میں بڑے زوردار غیر عقیدہ لوگ تھے۔ ان کی تصانیف جہاں عوام کو وہابیت کا پیغام دیتیں۔ ہمارے مولینا کی تصانیف ان کا مسکت جواب پیش کرتیں۔ تفسیر نبوی پنجابی دراصل حافظ محمد لکھوی کی تفسیر محمدی کے غیر مقلدانہ عقاید کی تشریح کا جواب ہے اور اس فتنہ کو عوام میں پھیلنے

سے روکنے کے لئے آپ نے یہ تفسیر پنجابی میں منظوم لکھی۔ ان معاندین کو ضد تھی کہ سادہ لوح دیہاتی عبدالوہاب نجدی کے نظریۂ توحید کے قائل ہو جائیں مگر حضرت مولانا کو دعویٰ تھا کہ عوام کا رشتۂ دل دامنِ رسالت سے کبھی نہ ٹوٹے گا۔ ؎

ملک الموت کو یہ چڑ ہے کہ جاں لیکے ٹلوں  
اور مسیحا کو یہ ضد ہے کہ مری بات رہے

گذشتہ صدی ہجری کی پاک و ہند کی اعتقادیات اور فکری تاریخ پر نگاہ ڈالی جائے تو اس دور کو اعتقادی پراگندگی کا دور ماننا پڑے گا۔ اس زمانہ میں وہابیت۔ دیوبندیت۔ دہریت۔ چکڑالویت اور مرزائیت کی تحریکیں حشرات الارض کی طرح نکلیں جس سے مسلمانوں کی اعتقادی عمارت کی بنیادوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ مولانا اسمٰعیل دہلوی۔ حفظ الرحمٰن۔ خلیل احمد انبیٹھوی۔ رشید احمد گنگوہی و مولوی اشرف علی تھانوی وغیرہم شیخ نجد کا پیغام اس برصغیر میں پہنچانے میں بڑے سرگرم تھے۔ مگر صاحبِ بطحا کے نام لیوا بھی غافل نہیں بیٹھے۔ اور انہوں نے عوام کے اعتقاد کی حفاظت کیلئے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ۔ صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی۔ مولانا دیدار علی شاہ۔ مولانا غلام دستگیر قصوری۔ مولانا غلام قادر بھیروی اور پنجاب میں مولانا نبی بخش صاحب حلوائی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی خدمات کو کون بھول سکتا ہے حضرت مولانا نبی بخش حلوائی پنجاب کے دیہات میں قریہ قریہ پھرے۔ جموں کی پہاڑیوں سے لیکر بہاولپور کے ریگستانوں تک دیہاتی عوام کو دامنِ مصطفیٰ سے وابستگی کا بڑا اہم سبق دیا۔ آپ کی تفسیر نبوی۔ شفاء القلوب۔ احسن القصص۔ النار الحامیہ لمن ذم المعاویہ۔ خیر الھدیٰ اور اعتقادیات پر دیگر کتابیں آپ کے قلمی کارناموں کے زندہ نمونے ہیں۔

آپ کا لباس سادہ طرز زندگی خالی از تکلف۔ گفتگو میں اعتقاد کی تربیت اہم جزو تھی۔ علم دین حاصل کرنیوالوں کے لئے ہمہ تن شفقت اہل سنت کے لئے مجسمۂ رحمت۔ بداعتقاد لوگوں کے مقابلہ میں برہنہ تلوار۔ ہر لغزش کو معاف کر دیتے مگر اعتقادی لغزش کو عمر بھر نہ بخشتے۔ شعر گوئی میں کمال حاصل تھا اور قلم بلا جھجک شعروں کی لڑیاں پروتے جاتا تھا۔ عمر کے آخری بیس سال جامع مسجد سٹی کوتوالی کے حجرہ میں تصنیف و تالیف میں صرف ہوئے۔

آپ کی زندگی کا محبوب ترین مشغلہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کثرت سے درود پاک پڑھنا تھا۔ رات کے اکثر لمحات اور تہجد کے بعد صبح کی نماز کے بعد اشراق کے نوافل کے بعد غرضیکہ دن کا شاید

ہی کوئی حصہ ایسا ہو جب درودِ پاک نہ پڑھا جا رہا ہو۔ علی الصبح سارے طلبا کو بیس ہزار سے زیادہ درود پاک پڑھنے کی تاکید تھی۔ درودِ پاک آپ کی نہ صرف روحانی غذا تھی بلکہ دنیا کے تمام مسائل اسی کی بدولت حل کرتے۔ کوئی مسئلہ آپ کے سامنے آتا کثرتِ درود سے حل ہوتا۔ یہاں تک کہ درویشوں نے جب بھی روٹی کی کمی کی شکایت کی۔ فوراً کہہ دیا تم درودِ پاک "پہ خیانت" کر رہے ہو۔ پھر خود اپنی نگرانی میں درود پڑھاتے۔ دوسرے روز ضرورت سے زیادہ کھانا عمدہ اور وافر آتا۔

گر توکل کر بود فیروزیت      حق دہد مانند مرغان روزیت

طلباء پر بے پناہ شفقت اور نعتِ رسولِ خدا سے دلی رغبت تھی۔ جناب غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی گیارہویں اور ختم خواجگان کی عمر بھر پابندی کی۔ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ کے مزارات کی ہفت روزہ زیارت کبھی نہیں چھوٹی۔ اپنے پیرومرشد مولانا غلام دستگیر قصوری رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد پیرومرشد جناب حضرت مولانا پیر جماعت علی شاہ لاثانی علی پوری رحمۃ اللہ سے فیضیاب ہوئے اور ان کے ارشاد کے مطابق ریاست جموں کے تنگ گذار علاقوں میں تبلیغ وارشاد کے لئے جاتے۔ اور وہاں کے سادہ عوام کو اعتقادی دولت سے مالا مال فرماتے۔ ان کے دلوں میں عقیدت و محبت کا جو جذبہ تھا اسی سے واضح ہوتا ہے کہ وہاں کے لوگ آپ کو جموں ریلوے سٹیشن سے پالکی میں بٹھا کر کندھوں پر ہمالیہ کے پہاڑوں کی بلندیوں تک لئے پھرتے اور دل و جان فرشِ راہ کرتے۔

زیرِ نظر کتاب "الامتیاز بین الحقیقت والمجاز" آپ کی آخری تصنیف ہے جسے آپ نے تمام اختلافی مسائل کے محاسبہ و محاکمہ کی صورت میں بڑے مدلل انداز میں پیش کیا ہے۔ اس کتاب کے مسودے کے ہزاروں صفحات مولف علام نے تیار کئے۔ ان میں تمام اختلافی مسائل کو تفصیل کے ساتھ سپردِ قلم کیا ہے۔ اسی کتاب سے تین مسائل علمِ غیب۔ استمداد اور تصرفِ اولیاء کو منشی برکت علی شہید مرحوم کی نظرِ ثانی نے زیورِ طبع سے آراستہ کرانے کے قابل بنایا ہے۔ جناب شہید حضرت مولانا کے محبوب ترین شاگردوں میں سے ہی نہیں بلکہ باشارہ خلفاء میں سے تھے۔ آپ گجرات میں مدرس تھے مگر حضرت سے انس و عقیدت کا یہ عالم تھا کہ اکثر تعطیلات آپ کے زیرِ نظر گزرتیں۔ علمی مسائل پہ اکثر رموز و نکات حاصل کرنے کا شہید صاحب کو آپ کو مجلس میں خاص مقام ملا۔ حضرت کی فیضِ نظر کا یہ اثر تھا کہ آپ کے

بعد یہ سلسلۂ فیض جاری ہوا تو اس میں ان کی کوششیں بڑی مفید ثابت ہوئیں۔

شدیم خاک و لیکن ز بوئے تربت ما
تواں شناخت کزیں خاک مردے خیزد

اس ضمن میں حضرت کے شاگردِ خاص حضرت مولانا باغ علی نسیم خطیب جامع سنی کوتوالی کا تذکرہ نہ کرنا بڑی کوتاہی ہوگی۔ ان کی ہمت اور جذبے سے حضرت کا فیض جاری ہے اور جس مکتبِ فکر آپ نے اپنی زندگی میں بنیاد ڈالی تھی۔ اس کی نشوونما نسیم صاحب نے حالات کی ناہمواری کے باوجود اپنے ذمہ لی اور حق تو یہ ہے کہ حقِ شاگردی ادا کر دیا۔ اب تک بچے اسی طرح علمِ قرآن و علمِ دین کی دولت سے جھولیاں بھرتے جا رہے ہیں۔ آپ کے کتب خانہ تصنیفات، مسجد، مدرسہ اب مکتبہ نبویہ اور ان تمام روایات کو زندہ رکھنے میں ان کا بڑا حصہ ہے۔ اس کتاب کی اشاعت میں انہوں نے جس کاوش سے کام لیا ہے وہ آپ کے خلوص اور حضرت کی تربیت فیض کا خاص اثر ہے۔

۱۳۶۴ھ ۱۴ ذیقعد کی رات کو آپ کا وصال ہوا۔ آخری آرامگاہ مسجد کے پہلو میں ہے جہاں ہر سال عُرس ہوتا ہے جہاں آپ کے شاگرد اپنی شرکت سے حضرت مولانا کی اعتقادی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔

اس کتاب کی مقبولیت کا فیصلہ ناظرین کی پسند پر ہے۔ اعتقادیات میں تشکک کی جن منزلوں سے ہم گزر رہے ہیں اس کتاب کا مطالعہ مشعلِ راہ بن سکتا ہے۔

۱۔ اہلِ نظر اسے کسی صاحب نظر کے نوادرات سے کم نہیں پائیں گے۔
۲۔ اہلِ علم اسے ایک علمی کارنامہ خیال کریں گے۔
۳۔ اہلِ طلب کے لئے خضرِ راہ بنے گی
۴۔ اہلِ سنت اسے اپنے مایۂ ناز مصنف کا کارنامہ تصور کریں گے۔

## الامتیاز بین الحقیقت والمجاز

زیرِ نظر کتاب فاضل مصنف کی ایک بے مثال یادگار تالیف ہے جو آپ کی زندگی میں طبع نہ ہو سکی۔ اس کتاب کی تالیف پر آپ نے اپنی زندگی کے آخرین سات سال وقف کئے تھے۔ آپ

دراصل ان تمام اختلافی مسائل پر محاکمہ اور محاسبہ کرنے میں کوشاں رہے جو مختلف فرقوں میں وجۂ اختلاف رہے چنانچہ آپ نے ایسے تقریباً ایک سو سے زیادہ مسائل پر بڑی محققانہ بحث کی۔ فریقین کے نقطۂ نظر کو پیش کیا۔ مختلف دلائل اور شواہد ضبطِ تحریر میں لائے گئے جن کے سہارے فریقین اپنے اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر اپنی محققانہ رائے کو محاکمہ کے بعد بیان لائے گئے۔ یہ اندازِ بیان قارئین کو مسئلہ کی اصل نوعیت سمجھنے میں بڑا مفید ثابت ہوا۔

ایسے مسائل پر تقریباً تین ہزار صفحات پر ایک مبسوط مسودہ آپ کے ذاتی کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ ان ہزاروں صفحات میں سے صرف تین مسائل (مسئلہ غیب، استمداد اور تصرف اولیاء اللہ) کو زیر نظر کتاب میں اشاعت حاصل ہوئی ہے۔ قارئین کے سامنے ان تینوں مسائل پر مشتمل کتاب کا دوسرا ایڈیشن ہے۔

---

حضرت کی گراں قدر اور نادر کاوش کا وہ مجموعہ جس کا ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں۔ کتابی شکل میں ترتیب دیئے جانے اور پھر اسے زیورِ طبع سے آراستگی ملنے کیلئے ابھی ایک وقت درکار ہے آپ کے ایک مرید باصفا جناب برکت علی صاحب شہید مرحوم اس مبسوط مسودہ میں سے ان تین مسائل کو اخذ کر کے ایک کتابی شکل میں ترتیب دیا تھا۔ خدا کرے۔ دوسرے مسائل بھی یکجا نہیں تو مختلف حصوں میں مرتب ہوتے جائیں اور شائع ہو کر ناظرین تک پہنچتے جائیں۔

---

حضرت مولانا محمد نبی بخش حلوائی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقۂ اثر میں بیٹھنے والے حضرات اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ آپ عقیدے کی درستگی۔ عقیدے کی پختگی اور پھر اس درستگی اور پختگی پر ثابت قدمی کو بر سر ستی میں دیکھنے کے خواہاں تھے اور آپ کی ساری زندگی اس عظیم کام میں وقف رہی۔ آپ کی تمام تصانیف بھی اسی عزم کی ترجمان ہیں اور اسی مقصد کے لئے آپ نے الامتیاز پر محنت شاقہ کی۔ اس کتاب کی ترتیب و طباعت کے بعد ہم بجا طور پر دعویٰ کر سکتے ہیں کہ اختلافی مسائل میں حقیقت پسندانہ رویہ اختیار کرنے کا رجحان پیدا ہو جائیگا اور مختلف طبقے اپنے رویے اور فکر میں تبدیلی قبول کر لیں گے۔

فاضل مؤلف کے نظریات اور رشحات کو قارئین تک پہنچانے کے لئے مکتبۂ نبویہ۔ لاہور نے جس پامردی اور جانفشانی سے پچھلے چند برسوں میں کام کیا ہے وہ پاکستان کے اہل علم ہی نہیں عالم اسلام کی اہل علم ہستیوں سے خراج تحسین وصول کر چکا ہے۔ مکتبہ اپنی دیگر مطبوعات کے علاوہ حضرت مولینا رحمۃ اللہ علیہ کی فاضلانہ تالیفات کے نئے ایڈیشن طبع کر چکا ہے اظہار انکار المنکرین من صلوٰۃ المجتبین۔ جامع الشواہد کے تازہ ایڈیشن آ چکے ہیں قصص المحسنین شفاء القلوب زیر طبع ہیں۔ بعیر زیر نظر کتاب کے مختلف حصے ترتیب کے مراحل سے گذر رہے ہیں۔ فاضل علاّم کی تفسیر نبوی ایک اتنا بڑا شاہکار ہے جس کی پنجابی زبان میں مثال نہیں ملتی۔ وہ بھی تدریجاً اشاعت پذیری کے پروگرام میں سے گذر رہی ہے۔ حضرت کا نعتیہ کلام۔ میلاد النبی پر مختلف مضامین کا مجموعہ۔ فقہ پر انوارع نبوی جیسی نادر یادگاریں ابھی تک ان غیر مطبوعہ مسوّدات کا حصہ ہیں جنہیں زیور طبع سے آراستہ ہونا ہے۔

---

# حرفِ آغاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ سید المرسلین

سیدنا ومولٰینا محمد وعلیٰ آلہ الطاہرین الطیبین واصحابہ المہدیین

وآئمۃ المجتہدین وعلماء ربانیین وجمیع المومنین فی کل حال وحین آمین

یارب العالمین

امّا بعد!

اہل اسلام خصوصاً اہل السنت والجماعت پر مخفی نہ رہے، کہ وہابی اور سُنّی متنازعہ فیہ مسائل کو آیات قرآنیہ سے اپنے اپنے عقیدہ کے مطابق ثابت کرتے ہیں اور اپنے استدلال کی بنیاد بھی کلام الٰہی پر رکھتے ہیں جس سے ایک دوسرے کی تکذیب و تردید لازم آتی ہے اور یہ امر بعض اوقات انکار نصوص تک پہنچ جاتا ہے۔ مثلاً ایک فرقہ غیر خدا کے لئے علم غیب بعطائے الٰہی ثابت کرتا ہے تو دوسرا اس کی نفی کرتا ہے حالانکہ دونوں اس کو قرآن مجید سے ثابت کرتے ہیں اور یہ بات ناممکن ہے، یعنی ایک بات کا صحیح اور دوسری کا غلط ہونا ناگزیر ہے، کیونکہ بمصداق ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا، کلام الٰہی میں اختلاف و تضاد نہیں علیٰ ہذا القیاس دیگر متنازعہ فیہ مسائل بھی سمجھے جائیں اور یہ فرق جو بظاہر نظر آتا ہے، یہ حقیقت ما در

مجاز کا ہے اور اسی فرق کو دُور کرنا اور حقیقت و مجاز میں مطابقت ظاہر کرنا زیرِ نظر کتاب کی تالیف کا بڑا مقصد ہے، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیائے کرام کے اقوال و افعال فعلِ باری تعالیٰ میں فنا ہوتے ہیں یعنی فاعلِ حقیقی وہی ذات پاک ہے اور فعل کی نسبت دوسرے کے ساتھ محض مجازی ہے، اس کی مثال خدا تعالیٰ کا یہ قول ان اغنٰہم اللّٰہ تعالیٰ ورسولہ من فضلہ یعنی غنی کر دیا ان کو اللہ اور اس کے رسولؐ نے اپنے فضل سے' اس میں اغنیٰ کا فاعل اور ضمیر واحد کا مرجع حق تبارک و تعالیٰ کی ذات ہے جس سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا قول و فعل حق تبارک و تعالیٰ کے فعل میں فنا ہے، اسی طرح وَاِذَا قَرَاْنٰہُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَہٗ میں خدا نے حضرت جبرائیل علیہ السّلام کے فعل قرأت کو اپنی طرف منسوب فرمایا' اور وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی اور اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْہِمْ میں خدائے تبارک و تعالیٰ نے حضورِ پُرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے افعال کو اپنے افعال کہا اور یہ اس کمال قربت و یگانگت کے باعث ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ذاتِ باری تعالیٰ سے تھی، نیز فرمایا اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰن اور سورۂ نجم میں فرمایا عَلَّمَہٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی، سورۂ الرحمٰن میں عَلَّمَ کا فاعل خود حق تبارک و تعالیٰ ہے، لیکن سورۂ النجم میں عَلَّمَ کا فاعل حضرت جبرائیل علیہ السّلام کو ٹھہرایا' پس اگر ایسے مواقع میں حقیقت و مجاز کے فرق کو ملحوظ نہ رکھا جائے' تو کلام الٰہی میں تناقض و تباین لازم آتا ہے' اور یہ غیر ممکن ہے، فی الحقیقت علمؔ میں علم کا فاعل بھی خدائے تعالیٰ ہی ہے' یا سورۂ مریم میں دیکھو' آیہ لِاَھَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا میں حضرت جبرائیل علیہ السّلام حضرت مریمؑ کو فرماتے ہیں کہ تمہیں ایک بیٹا بخشنے آیا ہوں' استقصا کرنے سے قرآن مجید میں ایسی اور بھی کئی مثالیں مل سکتی ہیں لیکن ہم انہی پر اکتفا کرتے ہیں:

امام الطائفہ وہابیہ اسمٰعیل دہلوی نے اپنی کتاب "صراطِ مستقیم" میں لکھا ہے

"ازانجملہ شدتِ تعلق است بہ مرشدِ خود استقلالاً نہ باں ملاحظہ کہ ایں شخص ناودانِ فیضِ حضرتِ حق و واسطہ ہدایت اوست' بلکہ بحیثیت کہ متعلق عشق ہماں می گردد، چنانچہ یکے از اکابر ایں طریق فرمودہ کہ حق جل و علا در غیر کسوتِ مرشد

من تجلی فرماید، مرا بسوئے او التفات درکار نیست۔"

اس کا ترجمہ جو غیر مقلدوں نے ہی کیا ہے کہ منجملہ آثار عشقیہ کہ اپنے مرشد کے ساتھ استقلالاً تعلق شدید ہو جاتا ہے یعنی اس لحاظ سے (نہیں) کہ یہ شخص حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے فیض کا ذریعہ ہے بلکہ اس حیثیت سے کہ خود مرشد سے ہی عشق کا تعلق ہو جاتا ہے چنانچہ اس طریق کے بزرگوں میں سے ایک شخص کا مقولہ ہے، کہ اگر اللہ تعالیٰ میرے مرشد کی صورت کے سوا کسی اور لباس میں تجلّی فرمائے تو البتہ میں اس کی طرف التفات نہ کروں گا" مطلب یہ ہُوا کہ مرشد ہی فیض دہندہٗ بالاستقلال ہے، صرف وسیلہ اور ذریعہ نہیں۔ پھر ذرا آگے چل کر بزرگانِ دین اور باری تعالیٰ کے اتحاد کے ثبوت میں آگے اور لوہے کی مثال بیان کرکے اسے صحیح حدیث سے یوں مدلّل کیا ہے، کہ ——— نفسِ کامل کو رحمانی جذب کی موجیں احدیّت کے دریاؤں میں کھینچ لے جاتی ہے تو انا الحق وَلَیْسَ فِی جُبَّتِیْ سِوَی اللّٰہ، یعنی مَیں خدا تمام جہان کا پروردگار اور میرے ہر دو پہلو میں بجز اللہ کے اور کچھ نہیں کی آواز اس سے صادر ہوتی ہے اور یہ حدیث قدسی ہے یعنی سَمعہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَبَصَرُہٗ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ وَیَدَہٗ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِھَا وَرِجْلَہُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِھَا ایک اور روایت میں اس حال کی حکایت ہے۔ خبردار! اس معاملہ پر تعجب نہ کرنا، اور انکار سے پیش نہ آنا کیونکہ جب وادیٔ مقدس کی آگ سے ندائے اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ تو اشرف الموجودات سے جو حضرت ذات سبحانہٗ و تعالیٰ کا نمونہ ہیں، انا الحق کی آواز صادر ہو تو کوئی تعجب کا مقام اور اسی مقام کے لوازم میں سے ہے، عجیب عجیب خوارق کا صادر ہونا اور قوی تاثیروں کا ظاہر ہونا، دعاؤں کا قبول ہونا، آفتوں اور بلاؤں کا دُور کرنا اور اسی معنٰی کی تصریح اس حدیث شریف قدسی میں موجود ہے، لَئِنْ سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّہٗ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّہٗ یعنی اگر وہ بندہ مجھ سے کچھ مانگے تو مَیں ضرور اُسے دُوں گا، اگر وہ مجھ سے پناہ مانگے، تو مَیں ضرور اُسے پناہ دُوں گا، اور منجملہ لوازم اس کے سے یہ ہے کہ صاحبِ حال کے دشمنوں اور بداندیشوں پہ وبال اور مصیبت ٹوٹ پڑتی ہے چنانچہ حدیث شریف قدسی مَنْ عَادَ لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بالحرب اسی مضمون کی وضاحت کرتی ہے۔ سبحان اللہ! عشق کا با

عمدہ تاثیر اور تحبلی علمی کا کیا خوب جذب ہے کہ یہ ایک مشت خاک اس مقدس اور پاک مقام میں کس قدر بلند ہو جاتی ہے اور بے قدر مٹی نے رب الارباب کے قریب مجلس میں کیا عمدہ جائے نشست اور خوبی کا مقام پایا (ترجمہ صراط مستقیم صفحہ ۱۳-۱۴۔ مطبع احمدی لاہوری طابع و مترجم بھی مؤلف کتاب ہذا کا ہم خیال ہے) لہٰذا اسی ترجمہ پہ اکتفا کیا گیا ہے۔ اس سے ناظرین کو بخوبی معلوم ہو گیا، کہ دوستانِ خدائے تعالیٰ نہ تو خدا ہیں، نہ خدا سے جُدا ہیں اور ان کے افعال حق تبارک و تعالیٰ کے فعل میں فنا ہیں۔

فقیر کاتب الحروف نے انہی امور کو جن کا نمونہ مشتے از خروارے سطور بالا میں پیش کیا گیا ہے، مدِ نظر رکھتے ہوئے ہر دو فریق کی اصلاح کے لیے ان کے استدلال اور مواخذ میں تطابق اور توافق ثابت کرنے کی امکانی کوشش کی ہے تاکہ وہ افتومنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض کی وعید سے بچیں وَمَا تَوْفِيْقِىْ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

اب ناظرین کرام کا فرض ہے کہ حقیقت و مجاز کا فرق پیش نظر رکھتے ہوئے ہر دو فریق کے مواخذ ملاحظہ فرمائیں، اور راہِ ہدایت کو اختیار کرتے ہوئے قعرِ ضلالت سے بچنے کی سعیٔ بلیغ کریں۔

وَاللّٰهُ يَهْدِىْ اِلٰى سَبِيْلِ الرَّشَادِ

محمد نبی بخش حلوائی عفی عنہٗ

# عِلمُ الغیب

غیب کیا چیز ہے؟ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کے ضمن میں تفسیر بیضاوی میں لکھا ہے

والغیب مصدر وصف به للمبالغة کالشهادة فی قوله تعالٰی عالم الغیب والشهادة والعرب تسمی المطمئن من الارض والخمصة التی تلی الکلیة او فیعل خفف کقیل والمراد به الخفی الذی لا یدرکه الحس ولا یقتضیه بداهة العقل وهو قسمان قسم لا دلیل علیه وهو المعنی بقوله تعالٰی وعنده مفاتح الغیب لا یعلمها الا هو وقسم نصب علیه دلیل کالصانع وصفاته والیوم الاٰخر واحواله وهو المراد به -

اور غیب مصدر ہے بطور مبالغہ اللہ تعالٰی کی صفت ہے، جیسے لفظ شہادت واجب تعالٰی کے قول عالم الغیب والشہادۃ میں، باوجود مصدر ہونے کے صفت واقع ہوا ہے عرب والے اپنی زبان میں پست زمین اور محاذ گروہ کو غیب کہتے ہیں۔ یا غیب فیل کی طرح مخفف ہے، غیب بر فیعل کا، اور مراد غیب سے وہ مخفی امر ہے، جو حواس سے معلوم نہ ہو سکے اور نہ اس کو بداہتہ عقل چاہے، یعنی عقل بلا دلیل معلوم نہ کر سکے، اور یہ غیب دو قسم ہے ایک قسم یہ ہے کہ اس پہ دلیل عقلی یا نقلی قائم نہ ہو، اور یہی غیب عندہ مفاتح الغیب لا یعلمها الا ھو میں مراد ہے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ اس پہ دلیل عقلی یا نقلی قائم ہو، جیسے

اللہ تعالیٰ اس کی صفات، روزِ قیامت اور دیگر احوالِ آخرت، آیت یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ میں بھی غیب مراد ہے (یعنی متقی وہ ہیں جن کو اس قسم کا غیب یعنی خدائے تعالیٰ اس کی صفات کا علم اور عالمِ آخرت کا علم دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے حاصل ہے۔

## اہلسنت والجماعت کا عقیدہ

اہل سنت والجماعت بالاتفاق مانتے ہیں کہ غیب دو نوع پر ہے، ذاتی اور عطائی، علمِ غیب ذاتی ذاتِ باری تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے۔ اس کی مہربانی سے انبیائے کرام اور اولیائے عظام کو بعض علوم از قسم غیب حاصل ہوتے ہیں، اس کو علمِ غیب عطائی کہتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علمِ غیب اسی قسم کا تھا اور تمام مخلوق کے مجموعی علم سے زیادہ تھا لیکن ذاتِ باری تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں ایسا تھا جیسا سمندر کے مقابلہ میں قطرہ' اور جملہ مخلوقات کا مجموعی علم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسا کہ سمندر کے سامنے قطرہ، کیونکہ "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" کا اقتضا یہی ہے۔

## حوالہ جات

علامہ خفاجی حواشی بیضاوی سے نقل فرماتے ہیں، ان معلومات اللہ تعالیٰ لا نہایۃ لہا وغیب السمٰوٰت والارض وما یبدونہ وما یکتمونہ قطرۃ منہا، بمقابلہ علمِ الٰہی تمام غیوب ارضی و سماوی قلیل کہا جائے گا بیشک بجا ہے لیکن انہیں بجائے خود قلیل کہنا اور کثیر نہ ماننا غلطی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو علوم الٰہی سے ایک قطرہ عطا ہوا، یعنی آپ کا علم بمقابلہ علمِ الٰہی قلیل ہے مگر بجائے خود ایسا وسیع ہے کہ کوئی شئے اس کے احاطہ سے خارج نہیں، اور تفسیر کبیر میں ہے، وسمی جمیع الدنیا قلیلاً حیث قال قل متاع الدنیا قلیل، اس سے ظاہر ہوا کہ نعیمِ آخرت کے سامنے تمام دنیا کی متاع بھی قلیل ہے اس طرح حق سبحانہ کے علم کے سامنے تمام مخلوقات کا علم قلیل ہے لیکن جس طرح ہم اپنے نزدیک تمام دنیا کو قلیل نہیں پاتے اسی طرح تمام مخلوقات کا علم بھی ہمارے نزدیک قلیل نہیں، اگر ہم اسے فی نفسہٖ قلیل جانیں، تو یہ ہماری بے بصری ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک بادشاہ نے خوش ہو کر اپنے وزیر کو ایک ہزار گاؤں عطا کئے' اس کا یہ عطیہ اپنی سلطنت کے مقابلے میں کچھ نہیں لیکن اس کی اہمیت ایک تہی دست مفلس سے

پوُ پھیے وہ اسے متاعِ سلطنت سمجھے گا اور تعجب سے کہے گا کہ بادشاہ نے وزیر کو ہزار گاؤں ہرگز عطا نہیں کیے ہوں گے، اگر ایسا ہوا ہے تو بادشاہ سے وزیر رتبہ میں کسی طرح کم نہیں رہا بلکہ منعم اور منعم علیہ کا امتیاز بھی اس کے دل سے اٹھے گا۔ مختصراً منطقی رنگ میں اس مسئلہ کو یوں بیان کر سکتے ہیں، کہ خدا کا علم عام ہے اور اس کے مقابلہ میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم خاص ہے یعنی تمام مخلوقات کا مجموعی علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کو محیط نہیں کر سکتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم حق سبحانہٗ کے تمام علم کو محیط نہیں ہو سکتا مگر اس کے برعکس خدا کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کو محیط اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم مخلوقات کے علم سب کو محیط ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ حق تبارک وتعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کو اپنے خاص علم غیب پر جس قدر چاہیے مطلع بھی کر سکتا ہے کہ نہیں، اگر انکار کریں تو اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر کے کیا معنی ہوں گے • اگر آیات نفی وآیات اثبات میں (جو علم غیب کو ماسوا کے لیے نفی یا اثبات کرتی ہیں) فرق نہ کیا جائے، تو قرآن مجید کی آیات میں تضاد واختلاف ماننا پڑے گا جو کسی طرح جائز اور ممکن نہیں۔ پس ایسی صورت میں ہر دو قسم کی آیات میں مطابقت لازمی امر ہے ورنہ ایمان کی خیر نہیں، اور یؤمنون ببعض الکتاب ویکفرون ببعض کا مصداق ہونا پڑتا ہے، یعنی حقیقت ومجاز اور ذاتی وعطائی کا فرق مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

## علم غیب عطائی

(۱) قرآن مجید میں ہے عالم الغیب فلا یظھر علیٰ غیبہ احدًا الا من ارتضیٰ من رسول (سورہ جن) یعنی اللہ جل جلالہٗ عالم الغیب ہے وہ کسی پہ اپنا غیب ظاہر نہیں فرماتا۔ مگر اس پہ ظاہر کرتا ہے، جس کو پسند فرمالے رسولوں میں سے، آیت مذکورہ کے تحت صاحب تفسیر روح البیان فرماتے ہیں۔ قال ابن الشیخ انہٗ تعالیٰ لا یطلع علی الغیب الذی یختص بہ علمہٗ الا لمرتضیٰ الذی یکون رسولا وما لا یختص بہ یطلع علیہ غیر الرسول یعنی ابن الشیخ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے غیب خاص پر جو اس کے ساتھ مختص ہے، رسول مرتضیٰ کے سوا کسی کو مطلع نہیں فرماتا، اور جو غیب کہ اس کے ساتھ خاص نہیں، اس پہ غیر رسول کو بھی مطلع

فرما دیتا ہے، اور تفسیر جمل میں ہے والمعنی ولکن اللہ یجتبی ای یصطفی من رسلہ من یشاء فیطلعہ علی الغیب اور معنی یہ ہیں لیکن اللہ جل شانہ چھانٹ لیتا ہے یعنی برگزیدہ کرتا ہے، اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے، پس مطلع کرتا ہے اس کو غیب پر، اور وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی کانہ قال الا الرسل فانہ یطلعھم علی الغیب اور یہ استثناء منفصل ہے یعنی حق تبارک وتعالیٰ اپنے خاص غیب پر مطلع فرما دیتا ہے، اپنے برگزیدہ رسولوں کو، اور اسی آیت کے ضمن میں کتاب الکلمۃ العلیاء میں مرقوم ہے کہ اہل تدقیق فرماتے ہیں کہ لا یظھر غیبہ علی احد نہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں فرماتا کیونکہ اظہار غیب تو اولیائے کرام پر بھی ہوتا ہے، اور بذریعہ انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہم پر بھی ہوتا ہے، بلکہ یہ فرمایا لا یظھر علیٰ غیبہ احدًا اپنے غیب خاص پر کسی کو ظاہر و غالب اور مسلط نہیں فرماتا مگر رسولوں کو، ان دونوں مرتبوں میں کیسا فرق عظیم ہے، اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے یہ کتنا بلند مرتبہ قرآن عظیم سے ثابت ہوا، ان تمام تفاسیر سے یہ نتیجہ نکلا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا فرما کر علم ما کان وما یکون سے سرفراز فرمایا، جس کی بناء پر آپ نے اپنے سے پہلے پچھلے لوگوں اور روز قیامت کی خبریں ظاہر فرمائیں۔ ملخصًا تفسیر عزیزی میں ہے کہ "غیب نام چیز یست کہ از ادراک حواس ظاہرہ و باطنہ غائب باشد، نہ حاضر تا بمشاہدہ و وجدان دریافت شود و اسباب و علامات آن نیز در نظر عقل و فکر آں در نیاید، تا ببداہت و استدلال دریافتہ شود، بر نابینا عالم الوان غیب است و عالم اصوات، نغمات والحان شہادت، در پیش جنین لذت جماع غیب است، و پیش فرشتگان الم گرسنگی و تشنگی غیب است و دوزخ و بہشت شہادت لہٰذا ایں قسم را غیب اضافی گویند، و آنچہ نیست نسبت بہمہ مخلوقات غائب است، غیب مطلق مطلق است، مثل وقت آمدن قیامت و احکام کونیہ و شرعیہ باری تعالیٰ و ہر روز در ہر شریعت و مثل حقائق ذات و صفات او تعالیٰ علی السبیل التفصیل، وایں قسم غیب خاص او تعالیٰ می نامند، فلا یظھر علیٰ غیبہ احدًا پس مطلع نمی کند بر غیب خاص خود ہیچ کس را موجے کہ رفع تلبیس و اشتباہ خطا بکلی دراں اطلاع خاص شوند، و احتمال خطا و اشتباہ

اصلاً ماند، وہمیں اطلاع کہ ادرا اظہار شخصے بر غیب، تواں گفت بخلاف منجمین واطبا وکاہناں ورمالاں وجفریاں وفال بیناں کہ علم ایشاں بہ بعض حوادث کونیہ از راہِ استدلال باسباب و علامات ظنیہ یا اخبارِ محتملۃ الصدق والکذب جناں وشیاطین تخمینی و وہمی می باشند نہ کہ یقینی، واولیاء را ہر چند علم الہامی یقینی بہ بعض حقائق ذات وصفات یا وقائع کونیہ حاصل می شود، اما تلبیس واشتباہ بہ جمیع الوجوہ ازاں مرتفع نمے گردد، تا اظہار ایشاں بر غیب و استیلا برآں متحقق گردد، بلکہ اظہار غیب بر ایشاں وانعکاس صورتِ غیبیہ در آئینہ وجدان ایشاں است، لہٰذا تکلیف عام بآں متحقق نشود، وخود ہم در تحصیل یقین بآں واعتماد برآں محتاج بہ شواہد کتاب وسنّت، کہ اقسام وحی اند می شوند، پس اظہار بر غیب ہیچ کس را نہ دہند الا من ارتضیٰ من رسول الا کسے کہ پسندمی کند وآں کس رسول می باشد، خواہ از جنس ملک باشد مثل حضرت جبرائیل علیہ السلام خواہ از جنس بشر مثل حضرت محمد وموسیٰ وعیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کہ اورا اظہار بہ بعضے از غیوب خاصہ خود میفرمایند تا آں غیوب را بہ مکلفین برساند، وتلبیس واشتباہ را از وے بکلی دفع می نمایند تا احتمال خطا وناراستی اصلاً پیرامون آں نگردد، وعامہ مکلفین کہ بدیدن معجزہ تصدیق رسول البشری نمودہ باشند، در وحی ہرچہ برآں اعتماد نمود در غلط نیفتند وراہِ حق نہ کنند، لہٰذا در انزال وحی احتیاط بلیغ بکار می برند۔"

عبارت مذکورہ کا خلاصہ یہ ہے کہ غیب اس چیز کا نام ہے جو حواس ظاہری و باطنی سے غائب ہو، کسی صورت سے اس کا مشاہدہ نہ ہو سکے، ایک غائب مطلق ہے جو تمام مخلوقات سے غائب ہے اور اس کو کوئی بھی نہیں جان سکتا جیسے قیامت کے آنے کا وقت' اور اس غیب کے اسباب اور نشانات عقل وفکر کی مدد سے نہ پائے جائیں' اور بداہت و استدلال سے دریافت نہ ہو سکے' اور یہ غیب مختلف ہے ہر شخص کی نسبت چنانچہ مادرزاد اندھے کے آگے جہان کے رنگ غیب ہیں' اور آوازیں وغیرہ ظاہر' عنین کے آگے لذت جماع غیب ہے' فرشتوں کے آگے بھوک پیاس کا رنگ غیب ہے' اور دوزخ وبہشت ان کے لئے شہود ہے' اس قسم کے غیب کو غیب اضافی کہتے ہیں یعنی یہ بعض کے لئے غیب ہے اور بعض کے لئے شہود، اور جو غیب، حقائق ذات وصفات باری تعالیٰ سے متعلق ہے

وہ حق تبارک وتعالیٰ سے مختص ہے اور وہ اس سے کسی کو اس وجہ پر مطلع نہیں فرماتا کہ اس سے اشتباہ وتلبیس رفع ہو جائے اور احتمالِ خطاواشتباہ ہرگز نہ رہے، اور خطاونسیان کا امکان بھی نہ رہے اور ایسے غیب کو جس میں یہ سب صفتیں پائی جاتی ہوں کسی پہ ظاہر کرنا کہہ سکتے ہیں۔ بخلاف نجومیوں، کاہنوں، طبیبوں، رملیوں، جفریوں، اور فال دیکھنے والوں کے کیونکہ ان کا علم جہان کے بعض آنے والے حادثوں پہ اسباب وعلامات ظنیہ پہ استدلال کی راہ سے ہوتا ہے، یا اُن خبروں پہ منحصر ہوتا ہے جو صدق وکذب کی متحمل ہو سکتی ہیں کیونکہ وہ جنات وشیاطین کے علم سے تعلق رکھتی ہیں، جو وہم و تخمین پہ مبنی ہوتا ہے یقین پہ نہیں، اگرچہ اولیائے کرام کو بعض حقائقِ ذات وصفات یا واقعاتِ جہان کے متعلق علم الہامی یقینی حاصل ہوتا ہے لیکن اس سے بھی اشتباہ وتلبیس کا ارتفاع من کل الوجوہ ضروری نہیں تاکہ ان پہ اظہارِ غیب اور غیب پہ ان کا استیلا متحقق ہو جائے، ان پہ اظہارِ غیب اور صورتِ غیبیہ کا انعکاس ان کے آئینۂ وجدان پہ ہوتا ہے اس لئے اس سے تکلیفِ عام متحقق نہیں ہوتی، اولیائے کرام خود بھی اپنے علم پہ اعتماد ویقین حاصل کرنے میں شواہدِ کتاب وسنت (جو کہ وحی کے اقسام میں) کے محتاج ہوتے ہیں پس اظہار پہ غیب سوائے ان رسولوں کے جن کو خدائے تبارک وتعالیٰ پسند فرماتے، کسی کو حاصل نہیں، خواہ وہ رسول جنسِ ملائکہ میں سے ہو جیسے حضرت جبرائیل علیہ السلام خواہ جنسِ بشر میں سے ہو جیسے حضرت محمدؐ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ خدائے تعالیٰ ان پہ اپنے خاص غیب کو ظاہر کرتا ہے تاکہ ان کے ذریعے مکلّفین تک پہنچے، اور اس میں اشتباہ وتلبیس کا شائبہ نہیں ہوتا، جس سے خطا وناراستی کا امکان بھی نہیں رہتا، جن لوگوں نے رسولِ بشری کی تصدیق معجزہ دیکھ کر کی ہوگی، وہ وحی کے بارے میں اُس پہ بکلی اعتماد کریں گے، اور غلطی میں پڑ کر راہِ حق گم نہیں کریں گے، اسی لئے انزالِ وحی میں پوری پوری احتیاط پیشِ نظر رکھی جاتی ہے

تفسیر سراج المنیر میں اسی آیت کے ضمن میں ہے، وقال القرطبی المعنی فلا یظھر علیٰ غیبہ احدًا الا من ارتضیٰ من رسولٍ فانہ یظھرہ علیٰ مایشاء من غیبہ لان الرسول مویدون بالمعجزات ومنھا الاخبار عن بعض المغیبات کما ورد فی التنزیل فی

قولہ تعالیٰ و انبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم الی قولہ وانکار کرامات مذهب المعتزلہ واما مذهب اهل سنت فیثبتونها فانہ یجوزان یلهم اللہ بعض اولیائہ وقوع بعض الوقوع فی المستقبل فیخبر بہ وهو من اطلاع اللہ تعالیٰ ایاہ علی ذالک ویدل علی صحت ذالک ماروی عن ابی هریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال کان فیمن قبلکم من الامم ناس محدثون من غیران یکونہ انبیاء وان یکن فی امتی احد فانہ عمر اخرجہ البخاری قال ابن وهب تفسیر محدثون ملهمون والمسلم عن عائشۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یقول فی الامم قبلکم محدثون فان یکن فی امتی منهم احدا فان عمر بن الخطاب منهم ففی هذا اثبات کرامات الاولیاء الی اخرہٗ یعنی آیت مذکورہ کی تفسیر میں قرطبی فرماتے ہیں: المعنی قولہ تعالیٰ فلا یظهر علی غیبہ احدا الامن ارتضی من رسول کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے غیب میں سے جس پر چاہتا ہے اس کو مطلع کرتا ہے، یقیناً رسول معجزات کی مدد سے موید کیے جاتے ہیں اور ان میں سے بعض رسول بعض مغیبات سے خبر دیتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے اس قول سے وارد ہوا ہے کہ میں تمہیں ان چیزوں کی جو تم کھاتے ہو اور جو گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو، خبر دیتا ہوں، آہ۔ اور اولیاء اللہ کی کرامتوں سے انکار معتزلہ کا مذہب ہے۔ اور اہل سنت ان کی کرامتوں کے ثابت کرنے والے ہیں اور یہ جائز ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنے بعض اولیاء میں سے بعض مستقبل کے واقعات پر الہام کرتا ہے۔ اور اس کو اس واقعہ کی خبر دے اور یہ خبر دینا خاص اس کو اس واقعہ پر اللہ تعالیٰ کے اطلاع دینے سے ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت جو انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بیان کی اس کی صحت پر دال ہے آپ نے فرمایا کہ تم سے پہلی امتوں کے آدمیوں میں سے بعض باوجود نبی نہ ہونے کے الہام کیے جاتے تھے۔ پس ایسا آدمی اگر کوئی میری امت سے ہے تو عمر ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اخرجہ البخاری، ابن وہب نے کہا کہ محدثوں کی تفسیر ملہموں ہے اور مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کی کہ تم سے پہلی امتوں میں سے محدث ہوا کرتے تھے پس میری امت میں

سے اگر کوئی ایسا ہے تو حضرت عمرؓ بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اس میں کرامات اولیاء اللہ کا ثبوت ہے۔ اور یہ وہ امام قرطبی ہیں جن کی توصیف اور ان کی تفسیر کا معتبر ہونا کشف الظنون سے ثابت ہے، چنانچہ اس میں ہے کہ شیخ امام ابو عبداللہ محمد بن احمد ابو بکر فرخ انصاری فرزجی قرطبی، مالکی، متوفی کی تفسیر حدیث اور آیات قرآنی پر مشتمل ہے۔

## امام فخر الدین رازی کا فیصلہ

تفسیر کبیر میں اسی آیت کے تحت میں ہے، ای وقت وقوع القیامۃ من الغیب الذی لا یظہرھذا اللہ لاحد فان قیل فاذا حملتھم ذلک علی القیامۃ فکیف قال الا من ارتضی من رسول مع انہ لا یظھر ھذا الغیب لاحد قلنا بل یظھرہ عند قرب القیامۃ یعنی وقوع قیامت کا وقت ان غیبوں میں سے ہے جس کو اللہ تعالیٰ کسی پر ظاہر نہیں فرماتا، پس جب یہ کہا جائے کہ جب تم نے اس غیب کو قیامت پر محمول کر لیا تو پھر (جواب دو کہ) اللہ تعالیٰ نے یہ کیسے فرمایا الا من ارتضی من رسول حالانکہ یہ غیب بھی تو ان غیبوں میں سے ہے جو کسی پر ظاہر نہیں کیا جاتا، تو ہم کہیں گے کہ خدائے تعالیٰ قیامت کے قریب ظاہر فرما دیگا۔

## صاحب خازن فرماتے ہیں

تفسیر خازن میں اسی آیت کے ضمن میں ہے، الا من یصطفیہ لرسالتہ و نبوتہ فیظھر علی من یشاء من الغیب حتی یستدل علی نبوتہ بما یخبر بہ من المغیبات فیکون معجزۃ لہ یعنی خدا جس کو اپنی رسالت اور نبوت کے لیے انتخاب کرے، اور جس پر وہ چاہے اس پر غیب کا اظہار فرماتا ہے تاکہ ان مغیبات سے جن کی وہ خبر دیتے ہیں ان کی نبوت پر دلیل لی جائے اور یہ ان کا معجزہ ہوتا ہے۔

وَمَا کَانَ اللّٰہُ لیطلعکُم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاءُ فامنوا باللہ ورسلہٖ وان تؤمنوا وتتقوا فلکم اَجرٌ عظیم ۔ اور انہیں ہے اللہ کہ مطلع فرمائے تمہیں غیب پر، لیکن اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے۔ پس اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ ایمان لاؤ، اور اگر تم اللہ کے ساتھ ایمان لے آؤ اور اس سے ڈرو تو تمہارے لئے اجرِ عظیم ہے۔

## صاحبِ مدارک کی تشریح

صاحبُ التفسیر مدارک التنزیل آیت مذکورہ کی تفسیر یُں فرماتے ہیں، وما کان اللّٰہ لیوتی احدا منکم علی الغیوب فلا تو ھموا عند اخبار الرسول بنفاق الرجل واخلاص الاٰخر انہ یطلع علی ما فی القلوب اطلاع اللّٰہ فیخبر عن کفرھا وایمانہا ولکن اللّٰہ یجتبی من رسلہ من یشاء (الآیہ) ای ولکن یرسل الرسل فیوحی الیہ ویخبرہ بان فی الغیب کذا وان فلانا فی قلبہ النفاق وفلانا فی قلبہ الاخلاص فیعلم ذالک من جہت اخبار اللّٰہ لا من جہت نفسہٗ۔ اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ کسی کو تم میں سے علم غیب پہ خبردار کرے، پھر نہ وہم کرو نزدیک خبر دینے رسول کے ساتھ نفاق کسی آدمی کے اور دوسرے کے اخلاص کے، کہ وہ بذاتِ خود اپنی طرف سے خبر دے رہا ہے لیکن اللہ تعالیٰ رسولوں کو مطلع فرماتا ہے، اس پہ جو دلوں میں ہے، پس وحی کی جاتی ہے طرف اس کی، اور وہ خبر دیتا ہے اس کو ساتھ غیب کے، کہ فلاں کے دل میں نفاق اور فلاں کے دل میں اخلاص ہے، پس وہ رسول اس خبر کو خدا تعالیٰ کے مطلع کرنے سے جانتا ہے، بذاتہٖ نہیں جانتا۔

## بیضاوی کی وضاحت

تفسیر بیضاوی میں ہے، وکان اللّٰہُ لِیُوْتِیَ اَحَدَ کُمْ علم الغیب فیطلع علیٰ مَا فی القلوب من کفرٍ و ایمانٍ ولکن اللّٰہ یجتبی لرسالۃٍ من یشاء فیوحیُ اللّٰہُ ویخبرہٗ ببعضِ المغیباتِ او ینصبُ لہٗ ما یدلُّ علیہ اور اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کو علمِ غیب نہیں دیتا تاکہ مطلع کرے، اُس چیز پہ جو دلوں میں ہے کفر اور ایمان میں سے، لیکن اللہ تعالیٰ اپنی رسالت کے لئے جس کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے، پھر اس کی طرف وحی کرتا ہے اور اس کو بعض غیبوں کی خبر دیتا ہے یا اُن کے لئے ایسے دلائل قائم کرتا ہے جو غیب پہ دلالت کرتے ہیں۔

## صاحبِ خازن مزید فرماتے ہیں

تفسیر خازن میں ہے۔ لکن اللّٰہ یصطفی ویختار من رسلہ من یشاءُ فیطلعہٗ علیٰ بعض علم الغیب ؛ لیکن اللہ تعالیٰ انتخاب کر لیتا ہے، رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے اور اس کو اطلاع دیتا ہے بعض علمِ غیب پہ۔

تفسیر جمل میں ہے، المعنیٰ لٰکنّ اللّٰہ یجتبی ان یصطفی من رسلہ من یشاء فیطلعہٗ علی الغیب، معنی یہ ہیں کہ اللہ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے پس اس کو مطلع کرتا ہے غیب پر۔

تفسیر کبیر میں ہے فاما معرفت ذالک علی سبیل الاعلام من الغیب فھو من خواص الانبیاء لیکن ان باتوں کا بطریق غیب پر مطلع ہونے کے جان لینا انبیاء کرام کی خصوصیت ہے۔

تفسیر روح البیان میں ہے، فان غیب الحقائق والاحوال لا ینکشف بلا واسطہ الرسول یعنی حقائق اور احوال کے غیب رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطہ کے بغیر منکشف نہیں ہوتے۔

تفسیر جلالین میں ہے فان کان اللّٰہ لیطلعکم علی الغیب فتعرفو المنافق قبل التمیز ولکن اللّٰہ یجتبی و یختار من یشاء فیطلع علی غیبہ کما اطلع النبیّ علیہ السلام علی حال المنافقین۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا کہ تمہیں علم غیب پر مطلع کر دیتے تو منافقین کو پہچان لیتے لیکن اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے اور غیب پر اختیار دے دیتا ہے جسے چاہے جیسا کہ اُس نے نبی علیہ السلام پر منافقین کے حالات کو واضح کر دیا تھا۔

یاد رہے بعض مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں بعض علم غیب کہا ہے تو ان کے بعض سے خدا تعالیٰ کے علم غیب کے مقابلے میں بعض مراد ہے، نہ کہ مخلوق کے مقابلے میں علم ماکان و ما یکون بھی خدا کے علم کا بعض ہے۔

وانزل اللّٰہ علیک الکتٰب والحکمۃ وعلمک ما لم تکن تعلم وکان فضل اللّٰہ علیک عظیماً۔ اور اتاری ہے خدائے تعالیٰ نے تجھ پر کتاب اور حکمت اور سکھائی تجھے (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) وہ بات جو تو نہ جانتا تھا اور ہے خدا تعالیٰ کا فضل تجھ پر بہت بڑا۔

جلالین میں علمک ما لم تکن تعلم کے ضمن میں ہے، ای من الاحکام و الغیب یعنی احکام اور علم غیب خازن میں ہے، یعنی من احکام الشرع و امور

الدین وقیل علمك من علم الغیب مالم تکن تعلم وقیل معناہ علمك من خفیات الامور واطلعك علٰی ضمائر القلوب وعلمك من احوال المنافقین وکیدہم،

یعنی احکام شریعت اور امورِ دینیہ اور کہا جاتا ہے کہ آپ کو علمِ غیب سے واقف کر دیا گیا جسے وہ پہلے نہ جانتے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ کو علوم کے معنی اور رازہائے قلوب حتٰی کہ منافقین کے حالات و فریب سے بھی مطلع فرما دیا تھا۔

## عالمِ ماکان ومایکون

تفسیر حسینی میں اسی آیت کے ضمن میں ہے، آں علم ماکان ومایکون ہست کہ حق سبحانہ، درشب اسرا بدال حضرت عطا فرمود، چنانچہ درحدیث معراج ہست، کہ من وز یرعرش بودم، قطرۂ درحق من ریختند فعلمت ماکان ومایکون جو علم خدائے تعالٰی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شب معراج میں عطا فرمایا، وہ ماکان ومایکون کا علم ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں عرش کے نیچے تھا کہ ایک قطرہ میرے حلق میں ڈالا، پس میں نے گذشتہ اور آئندہ کے حالات معلوم کر لئے۔

مشکوٰۃ شریف باب المساجد میں ہے عن عبد الرحمٰن بن عائش، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رأیت ربی عزوجل فی احسن صورۃ قال فیما یختصم الملاء الاعلٰی قلت انت اعلم قال فوضع کفہ بین کتفی فوجدت بردھا بین ثدی فعلمت ما فی السمٰوٰت والارض وتلا وکذٰلك نری ابراھیم ملکوت السمٰوٰت والارض ولیکون من الموقنین (رواہ دارمی مرسلا)

عبدالرحمٰن بن عائش سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب عزوجل کو اچھی صورت میں دیکھا، رب نے فرمایا کہ ملائکہ کس بات میں جھگڑا کرتے ہیں، میں نے عرض کیا کہ تو ہی بہتر جانتا ہے۔ سرورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا پھر میرے رب عزوجل نے اپنی رحمت کا ہاتھ میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا میں نے اس کے وصولِ فیض کی سردی اپنی دونوں چھاتیوں کے درمیان پائی۔ پس میں نے جان لیا جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس

حال کے مناسب آیت تلاوت فرمائی اور وہ یہ آیت ہے وکذلک نری ابراھیم الخ یعنی اسی طرح دکھائے ہم نے ابراہیم کو ملک آسمانوں اور زمینوں کے تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں، وضع کف مزید فضل، ثابت تخصیص ایصال فیض، عنایت، کرم تکریم اور انعام سے کنایہ ہے اور سردی پانا حصول اثر فیض اور حصول علم سے کنایہ ہے۔

اس حدیث سے آفتاب کی طرح ثابت ہو گیا کہ ہمارے آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہر چیز کا علم عطا ہوا۔ حدیث مذکورہ میں حرف ما عمومیت پہ دال ہے جیسے کہ یہ حرف لہٗ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض میں عمومیت پہ دال ہے مگر بعطاءِ الٰہی جل وعلیٰ نہ کہ بالذات، حدیث مذکورہ قولہ تعالیٰ لقد رای من اٰیات ربہ الکبریٰ کے مطابق وموافق ہے

## ملا علی قاری کا استدال

حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری مرقات شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں (جلد اول ص ۴۶۳) فعلمت ای بسبب وصول ذلک الفیض ما فی السمٰوات والارض یعنی ما اعلمہ اللہ تعالیٰ مما فیھا من الملٰئکۃ والاشجار وغیرھا عبارۃ عن سعۃ علمہ الذی فتح اللہ بہ علیہ وقال ابن حجر ای جمیع الکائنات التی فی السمٰوٰت بل ما فوقھا کما یستفاد من قصۃ المعراج والارض ھی بمعنی الجنس ای وجمیع د ما فی الارضین السبع بل وما تحتھا کما افادہ اخبارہ علیہ السلام عن الثور و الحوت الذین علیھما الارضون کلھا یعنی ان اللہ اری ابراھیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ملکوت السمٰوٰت والارض وکشف لہ ذلک وفتح علی ابواب الغیوب الحاصل اس فیض کے حصول سے میں نے وہ سب کچھ جان لیا جو آسمانوں اور زمین میں ہے یعنی جو کچھ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے تعلیم فرمایا ان چیزوں میں سے جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں، ملائکہ اور اشجار وغیرہ سے اس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسعت علم سے مراد ہے، جو خدا تعالیٰ نے حضرت پر کھول دیا، علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ ما فی السمٰوٰت سے آسمانوں بلکہ ان سے بھی اوپر کی تمام کائنات کا علم مراد ہے جیسا کہ قصہ معراج سے استفادہ ہے اور ارض بمعنی جنس ہے یعنی وہ تمام چیزیں جو ساتوں زمینوں بلکہ ان سے بھی نیچے ہیں سب معلوم ہو گئیں جیسا کہ

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ثور (بیل) اور حُوت (مچھلی) اُن چیزوں کو جاننا جن پہ سب زمینیں ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آسمانوں اور زمینوں کے ملک دکھائے اور اس کو ان کے لئے کشف فرمایا' اور مجھ پہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) غیبوں کے دروازے کھول دیئے۔

## شیخ محدث دہلوی کی رائے

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "اشعۃ اللمعات" میں فرمایا ہے، کہ زمین و آسمان کے علوم اور ان پہ احاطہ کرنا بھی تحریر ہے' اور مشکوٰۃ المصابیح باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ صـ۷ میں بروایت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ایک حدیث میں یہ الفاظ مروی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' فاذا انا بربي تبارك وتعالى في احسن صورت فقال يا محمد قلت لبيك ربي فيما يختصم الملاء الاعلى قلت لا ادري قالها ثلثا قال فرايته وضع كفه بين كتفي حتى وجدت برد انامله بين ثدي فتجلى لي كل شيءٍ وعرفت۔ پس ناگاہ میں اپنے پروردگار کے ساتھ ہوں اچھی صورت میں' خداوند گار نے فرمایا' یا محمدؐ' عرض کی میں نے حاضر ہوں یا پروردگار' خدا نے فرمایا' کہ ملاءِ اعلیٰ کس بات میں جھگڑتے ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ میں نہیں جانتا' یہ امر تین مرتبہ دریافت فرمایا پھر میں نے دیکھا کہ خدا نے اپنا دستِ قدرت میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا یہانتک کہ مجھے اس کے پوروں کی سردی اپنی دونوں چھاتیوں کے درمیان معلوم ہوئی۔ پس مجھ پہ ہر چیز ظاہر ہوگئی اور میں نے سب کچھ پہچان لیا۔

## ایک حدیث

کتاب الکلمۃ العلیا کے صـ۱۲ پہ مشکوٰۃ شریف کے باب المعجزات سے ایک حدیث بروایت ابی جریرہ رضی اللہ عنہ منقول ہے کہ ایک بھیڑیا کسی گڈریے کی طرف آیا اور ریوڑ میں سے ایک بکری پکڑ لی۔ گڈریے نے تعاقب کرکے بکری کو چھڑا لیا (ابوہریرہ کہتے ہیں کہ) بھیڑیا ایک ٹیلے پہ چڑھ کر بیٹھ گیا۔ اپنی دم دونوں ٹانگوں کے درمیان کرکے کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے جو رزق مجھے دیا تھا وہ تو نے مجھ سے لیا' گڈریے نے تعجب سے کہا۔ واللہ میں نے آج تک کوئی بھیڑیا کلام کرتے نہیں دیکھا' بھیڑیے

نے کہا، اس سے بھی زیادہ تعجب انگیز ایک شخص کا حال ہے جو دو سنگستانوں کے درمیان کھجور کے درختوں یعنی مدینہ میں ہے، وہ شخص گذشتہ اور آئندہ دنیا اور عقبیٰ کی سب خبریں دیتا ہے، وہ گذریا یہودی تھا، یہ واقعہ دیکھ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضور پاک کو اس تمام واقعہ کی خبر دی اور اسلام لایا، حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کی خبروں کی تصدیق کی۔ سبحان اللہ کی جانور تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عالم ما کان وما ھو کائن جانیں، مگر انسان اس بارے میں متذبذب رہیں یا انکار کریں۔ علامہ ملا علی قاری مرقات شرح مشکوٰۃ شریف جلد ۵ ص۱۵۰ میں یخبرکم بما مضی وما ھو کائن کی شرح یوں کرتے ہیں، یخبرکم بما مضی ای بما سبق من خبر الاولین ومن قبلکم وما ھو کائن بعدکم ای من نبئ الاٰخرین فی الدنیا ومن احوال الاجمعین فی العقبیٰ، اس سے معلوم ہوا کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم گذشتہ اور آئندہ واقعات دنیا اور عقبیٰ کی خبر دیتے ہیں۔

## علوم جزوی وکلی

وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ۔ اس آیت میں استثناء متصل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے خاص علم میں سے انبیاء کرام علیہ الصلوٰۃ والسلام بقدر باتیار احاطہ کر سکتے ہیں۔ شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عائش نے آپ سے روایت کی فعلمت ما فی السموات والارض پس دانستم ہرچہ در آسمانہا ودر زمین بود عبارت است از حصول تمامہ علوم جزوی وکلی واحاطہ آنہا وخواند آنحضرت مناسب ایں حال ولقصد استشہاد بر امکان آن ایں آیت را وکذلک نری ابراھیم ملکوت السموات والارض وہمچنیں نمودیم ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام را ملک عظیم تمامہ آسمانہا را وزمین را لیکون من الموقنین تاکہ گردد ابراہیم از یقین کنندگان بوجوہ ذات وصفات وتوحید واہل تحقیق گفتہ اند، کہ تفاوت است، درمیان ایں دو روایت زیرا کہ خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ملک آسمان وزمین را دید، وحبیب ہرچہ در زمین وآسمان بود حالی از ذوات وصفات وظواہر وبواطن ہمہ را دید وخلیل حاصل مراد در الیقین بوجوب ذاتی ووحدت حق بعد از دیدان ملکوت آسمان وزمین چنانکہ حال استدلال وارباب سلوک ومحبان و

طالبان می باشد و حبیب حاصل شد مراد الیقین و وصول الی اللہ اول پس ازان دانست عالم را و حقائق آن راچنانکہ شان مجذوبان و محبوباں و مطلوباں است، و اول موافق است بقول ما رأیت شیئا الا رایت اللہ قبلہ و تستان ما بین علماء علامہ طیبی اسی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں، والمعنی انہ کما اری ابراھیم ملکوت السموات والارض کذالک فتح علی ابواب الغیوب حتی علمت ما فیہا من الذوات والصفات الظواھر والمغیبات

الکلمۃ العلیا۔ صفحہ ۱۰-۱۱ -

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ یعنی سکھا دیا آدمی کو جو وہ نہ جانتا تھا،

تفسیر فتح العزیز میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ العزیز تحریر فرماتے ہیں۔

و خبر صادق کہ از انبیائے نوع خود محسوسات و معقولات انہا را شنیدہ باور کند، و در دریافت مطالب بکار برد، و چوں مخبر از بنی نوع بہ در رنگ ایں کس در دام حواس و عقل گرفتار است چیز ہائیکہ از حد حواس و عقل بالا تر است، خارج از خطائے انسانی ماند آن را بانزال وحی تعلیم فرمودند، کہ وحی علم الٰہی بتوسط ملائکہ عظام بنوع انسان برسد و بکار بیاید، و الہام و کشف و نفث و ہواتف و تمثل امور غیبیہ کہ عرفا و اولیا را بتوسط ارواح انبیاء علیہم السلام و طفیل اقتدائے آنہا حاصل می شود، ہمہ از توابع وحی است (ترجمہ) یعنی خبر جو اپنے قسم محسوسات و معقولات کو آدمی سن کر باور کرے، اور ان کے مطالب پانے میں کاربند ہو، اور جب خبر دینے والا انسان اسی رنگ میں ..... عقل اور حواس کے دام میں گرفتار ہے، وہ چیزیں جو حد عقل اور حواس کی قسم سے بالاتر ہیں جو خطائے انسانی سے خارج ہو اس کی مانند انزال وحی سے تعلیم فرماتے ہیں کیونکہ وحی الٰہی ملائکہ عظام کے وسیلہ سے نوع انسان تک پہنچتی ہے، اور اس پہ عمل کیا جاتا ہے اور الہام، کشف اور نفث و ہواتف اور ان کی مانند دوسرے امور غیبیہ جو کہ عارفوں اور اولیاء کو ارواح انبیاء علیہم السلام کے توسط سے ان کی اقتدار کی بدولت حاصل ہوتے ہیں، سبھی وحی کے تابع ہیں، پس جب اولیاء اللہ کو امور غیبیہ پہ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے وسیلے سے آگاہ کیا جاتا ہے تو انبیائے کرام کی غیب دانی میں کیا اشتباہ ہو سکتا ہے، اللہ تعالیٰ کے علم سے بعض علم کو اپنے بعض پہ قیاس کرنا حضور علیہ الصلوۃ والسلام

کی وسعت علمی سے انکار کے مترادف ہے کیونکہ ہمارے علم کا بعض خدائی علم کے بعض سے کوئی نسبت نہیں رکھتا' ؎

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

## ابی بن کعبؓ کی روائت

بخاری شریف باب کتاب التفسیر آیت' فلما جاوزا قال لفتاہ آتنا غداءنا لقد لقینا من سفرنا هٰذا نصبا کے ضمن میں ہے حدثنا ابی کعب عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم قال قام موسٰی خطیبا فی بنی اسرائیل فقیل لہا ای الناس اعلم فقال انا فعتب علیہ اذا یراد العلم الیہ واوحی علی عبدٍ من عبادی بلی عبدٌ من عبادی الجمع البحرین ھو اعلم منک قال ای رب کیف السبیل الیہ قال تاخذ حوتاً الخ قال فسلم الیہ موسٰی وانی بارضک السلام فقال انا موسٰی فقال موسٰی بنی اسرائیل قال نعم قال ھل اتبعک علی ان تعلمنی مما علمت رشدا قال لہ الخضر یا موسٰی انک علی علم من علم اللّٰہ علمکہ اللّٰہ لا اعلمہ وانی علی علم من علم اللّٰہ علمنیہ اللّٰہ لا تعلمہ قال فان اتبعتنی فلا تسئلنی عن شیٔ حتی احدث لک منہ ذکراً فانطلقا یمشیان علی الساحل فمرت بھما سفینۃ فعرف الخضر فحملوھم فی سفینتھم بغیر نول یقول بغیر اجر فرکبا السفینۃ قال ووقع العصفور علی حرف السفینۃ فغمس منقارہ البحر فقال الخضر لموسٰی ما علمک وعلمی وعلم الخلائق فی علم اللّٰہ الا مقدار ما غمس ھٰذا العصفور منقارہ ؎

پس سلام کرد برآں مرد موسیٰؑ گفت کجاست زمینے کہ توئی سلام' پس گفت منم موسیٰؑ گفت آں مرد موسیٰؑ بنی اسرائیل ہستی گفت موسیٰؑ آرے' ہمراہی کنم ترا بریں کہ بیاموزی مرا ازآنچہ دانندہ شدہ رشدہ' گفت مر موسیٰؑ را خضر علیہ السلام' ای موسیٰؑ تو بر علم رسوخ داری از معلومات خدا کہ تعلیم کردہ خدا ترا آن علم کہ نے دانم آن را ومن راسخ بر علم از علوم خدایم کہ تعلیم کردہ مرا آن علم نے دانی تو آن را. گفت موسیٰ تبعیت می کنم ترا. گفت خضر اگر متابعت می کنی مرا پس سوال مکن مرا از چیزے تا آنکہ من حدیث کنم' و بگویم ترا ازآن چیز ذکرے' پس رفتند ہردو حالیکہ گام می زنند

برکنار دریا، پس گذشت بہ ہر دو کشتی، پس شناختہ شد خضر علیہ السلام پس برداشتند ایشاں را بے مزد تفسیر کردہ راوی نول را بالغیر اجر، پس سوار شدند بر کشتی۔ گفت وافتاد گنجشکے بہ کنار کشتی، پس فرو برد منقار خود در دریا، پس گفت خضر، اے موسیٰ نیست دانائی تو و دانائی من و دانائی ہمہ آفریدگان در جنب علم خدا مگر مقدار فرو بردن ایں گنجشک منقار خود را۔

اس سے معلوم ہوا کہ علم الٰہی کی وسعت کو کوئی نہیں پا سکتا، جب ہم دعوٰی کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم ما کان و ما یکون حاصل تھا تو اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ جملہ مخلوقات کے مجموعی علوم سے آپ کا علم زیادہ تھا جس کا اندازہ خدائے تعالیٰ کے بغیر کسی کو معلوم نہیں مگر وہ آپ کا سب علم کے علم کا بعض تھا، جس کی مثال اوپر گذر چکی ہے، یعنی اتنا جتنا چڑیا کی چونچ کا تر ہونا، بہ مقابلہ بحر ذخار کے، معلوم نہیں کہ منکرین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وسعت علمی سے اتنی کد کیوں رکھتے ہیں، اور اس کو اپنے پیمانوں سے ماپنے کی فضول کوشش کر کے خسران الدنیا والآخرہ کے مستوجب کیوں بنتے ہیں، نیز مفصلہ بالا عبارات کی موجودگی میں اہل سنت والجماعت کے صحیح عقیدہ سے انحراف کرنے میں کیا حکمت جانتے ہیں۔

## ایام ولادت، فوت اور قیامت کا علم

وَالسَّلَامُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا، اور سلام خدا تعالیٰ کا ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور اس دن بھی کہ مروں میں اور اس دن کہ پھر اٹھوں میں جیتا یعنی قیامت تک ہمیشہ ہمیشہ مجھ پر سلام رہے، اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارہ میں ہے والسلام علیہ یوم ولد ویوم یموت ویوم یبعث حیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو اپنی سلامتی کی خبر دے دی، کہ پیدائش کے وقت مجھ پہ سلامتی ہے، دنیا سے انتقال کرتے وقت بھی اور قیامت کے دن بھی، اور اسی طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق بھی ابتدائی حالت اوسط و انتہا میں سلامت رہنے کی خبر دی گئی۔ ان آیات کی موجودگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے یہ بدظنی بے معنی ہے، کہ آپ کو اپنے خاتمہ کی خبر بھی نہ تھی۔ منکرین آیت ما ادری ما یفعل بی کو آپ کے عدم علم کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں، حالانکہ یہ آیت منسوخ ہے، جب وہ شیطان کے علم کو نص قطعی سے صحیح مانتے اور حضور کے علم قطعی سے انکار

کرتے ہیں، اور خدا تعالیٰ کے مطلق کرنے سے بھی غیب کے علم پر اعتقاد کرنے کو شرک قرار دیتے ہیں، تو اس حالت میں ان کا ایمان شیطان لعین پر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نہیں، وما ادری کے متعلق مفصل بحث ہم منکرین کے اعتراضات کے جواب میں کریں گے۔

۲ فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِہٖ مَاۤ اَوْحٰی پس ہم نے وحی کی اپنے بندے پر جیسے حق تھا

اس آیت میں وحی کی عظمت و شان کا بیان

ہے، ایک قول ہے کہ نمازوں کے متعلق وحی تھی، بعض کہتے ہیں کہ وحی یہ تھی کہ بہشت نبیوں پر اس وقت تک جب تک آپ اس میں قدم نہ رکھیں، حرام ہے اور دیگر امتوں پر بھی جب تک آپ اس میں قدم نہ رکھیں، حرام ہے، اور دیگر امتوں پر بھی جب تک آپ کی امت اس میں داخل نہ ہو، حرام ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ وحی اسرار و حقائق اور معارف سے متعلق تھی جن کے سوائے خدا اور اس کے رسولؐ کے اور کوئی نہیں جانتا، اور آیت وکان فضل اللّٰہ علیک عظیما کی تفسیر میں نیشاپوری میں ہے، کہ علم کی شرافت دے کر خدا نے آپ کو بزرگ فرمایا۔ اور اس کے مقابلے میں دنیا کو قلیل کہا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس میں احکام شرع کے متعلق اشارہ ہے، اور اکثر تفاسیر میں ہے کہ اس سے وہ علم غیب مراد ہے جس سے منافقین کے علامات پوشیدہ باتیں اور دلوں کے بھید آپ پر آئینہ ہو گئے اور متعدد تفاسیر میں ہے کہ اس سے وہ تعلیم مراد ہے جس سے آپ کو احکام شرع، امور دین اور علوم غیبیہ کا حصول ہوا، اور تفسیر زاہدی میں ہے کہ فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِہٖ مَاۤ اَوْحٰی سے مراد وہ کلام ہے جو خدائے تعالیٰ نے اول سے آخر تک آپ سے کیا، اور جس کے جاننے سے جملہ مخلوقات مع انبیاء و رسل کے عاجز ہے۔

## تفسیر روح البیان کی وضاحت

آپ کا علم جمیع معلومات غیبیہ ملکوتیہ کو محیط ہو گیا جیسا کہ حدیث بحث ملائکہ میں ہے کہ آپ نے فرمایا، کہ حق تعالیٰ نے اپنا کفِ قدرت میرے شانوں پر رکھا۔ جس کی سردی میرے پستانوں تک پہنچی، پس میں نے اولین و آخرین کے علم کو جان لیا، اور ایک روایت میں ہے کہ علم ہر اس چیز کا جو ہو چکی اور ہو گی اور محدث دہلوی مدارج النبوۃ میں تحریر فرماتے ہیں :-

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ جبروت اور لاہوت سے کشف کیا گیا اور جو عجائب ملکوت سے آپ نے مشاہدہ فرمایا وہ بیان نہیں فرمایا جا سکتا۔ بلکہ اس کا ایک ادنیٰ جزو بھی سننے کا تحمل عقل وفہم انسانی میں نہیں۔ اس لئے رمز، اشارہ اور کنایہ سے جو دلیل تفہیم ہے بیان فرمایا، فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ ۔ آہ پس قرآن مجید اور معتبر تفاسیر سے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کی کثرت وسعت بمقابلہ جمیع مخلوقات متحقق ہوئی، منکرین کے اس خیالِ خام سے ان کے دل کی بیماری کا اظہار ہوتا ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم محیط کائنات نہیں اور ابلیس کا علم محیط ہے۔ نعوذ باللہ من ہذا الخرافات"

بیضاوی کے حاشیہ شہاب میں آیت واعلم ما تبدون ما کنتم تکتمون کے نیچے چلپئی سے نقل کرکے لکھتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کے معلومات بے نہایت یعنی وراء الورا ہیں آسمانوں اور زمینوں کے غیب نیز وہ چیز جو فرشتے ظاہر کرتے اور چھپاتے ہیں، خدا کے علوم سے ایک قطرہ ہیں، اور عقیدہ شرح قصیدہ بردہ شریف میں حضرت علامہ خرپوتی بن علومک علم اللوح والقلم کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں کہ لوح محفوظ کیسی ہے۔

## علامہ خرپوتی کا عقیدہ

وقد جعل الله له ثلاثمائة وستين سنا كل سن يعرب عن ثلاثمائة وستين صنفا من العلوم الاجمالية فيفصلها فى اللوح، قال شيخ محي الدين ابن عربى اعلم ان الله تعالى لما تجلى للقلم اشتق منه موجود آخر سماه اللوح وامر القلم ان يتدلى اليه وليودع فيه جميع ما يكون الى يوم القيامة انتهى، وقال الشعرانى فى كتاب اليواقيت والجواهر فى عقائد الاكابر فان قلت فهل اطلع احد من الاولياء على عدد الحوادث التى كتبها القلم على اللوح الى يوم القيامة فالجواب قال الشيخ فى الباب الثامن والستين بعد المائة من الفتوحات المكية نعم انا ممن اطلعه الله تعالى على ذالك وقال الشيخ اطلعنى الله على عدد امهات علوم ام الكتاب وهو مائة الف نوع وتسعة وعشرون الف نوع وستمائة نوع كل نوع منها يحتوى على علوم انتهى الى قوله ان الله اطلعه عليه السلام على ما كتب القلم فى اللوح المحفوظ وزاده ايضا لان اللوح والقلم متناهيان فما فيهما متناه ويجوز

احاطة المتناهی بالمتناهی وقال الشیخ زادہ ھذا اعلیٰ قدر فھمک واما من اکحلت عین بصیرتہ بالنور الالٰھی فیشاھد بالذوق ان علوم اللوح والقلم جزء من علومہ کما ھی جزء من علم اللہ تعالیٰ۔

تحقیق خدا نے لوحِ محفوظ کے تین سو ساٹھ دندانے بنائے اور ہر ایک دندانے تین سو ساٹھ اقسام کے علوم اجمالی ہیں اور لوحِ محفوظ میں ان کی تفصیل کی گئی ہے۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے قلم کے لئے تجلی فرمائی تو اس سے دوسری چیز مشتق ہو گئی، اس کا نام لوحِ محفوظ رکھا اور قلم کو حکم دیا کہ جو کچھ تیرے پاس ہے لوح کے سپرد کیا جائے یعنی وہ سب کچھ جو قیامت تک ہونے والا ہے اور امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب یواقیت والجواہر فی عقائد الاکابر میں فرمایا کہ کیا خدا تعالیٰ نے ان امور پر جو قلم نے لوحِ محفوظ پر لکھے، کسی کو مطلع فرمایا ہے یا نہیں، اس کا جواب شیخ اکبر نے فتوحاتِ مکیہ کے ایک سو اسیویں باب میں دیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے ان امور کے متعلق اطلاع دی گئی، نیز فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے امہاتِ علوم ام الکتاب کے تعداد معلومات کی اطلاع دی، اور ان علوم کے ایک لاکھ ستائیس ہزار اقسام ہیں اور ان اقسام میں سے ہر ایک قسم متعدد علوم پر حاوی ہے۔ الیٰ قولہٖ۔

## لوح کے علوم کا علم

حق تبارک وتعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان علوم سے جو قلم نے لوح پر لکھے مطلع فرمایا، لوح وقلم متناہی ہیں اور جو کچھ ان میں ہے وہ بھی متناہی ہے، اور متناہی پر متناہی کا محیط ہونا جائز ہے۔ شیخ علیہ الرحمۃ نے کہا کہ یہ زیادتی جو آپ کے علم کے متعلق مذکور ہوئی یہ بھی تیری سمجھ کے اندازے پر ذکر کی گئی، ورنہ آپ کے علوم کثرت وسعت کے لحاظ سے احاطۂ فہم وادراک سے باہر ہیں اور جس کی چشمِ بصیرت انوارِ الٰہی سے منور ہوئی ہے وہ اپنے ذوق سے مشاہدہ کرتا ہے کہ لوح وقلم کے علوم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علوم کا ایک جز ہیں جیسا کہ وہ علومِ الٰہی کا ایک جز ہیں۔

## شارح قصیدہ بردہ کی وضاحت

قصیدہ بردہ شریف کی شرح میں علامہ محمد صادق ومن علومک علم اللوح والقلم کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ علمِ تو محیط بجمیع اشیاء آنچہ بر صفحۂ لوحِ محفوظ از زبانِ قلم رسیدہ الیٰ قولہٖ، ومراد از

نُوح لوح محفوظ کہ قلمِ اعلیٰ الحکم قادر مختار تقدیر است جمیع مخلوقات را دراں ثبت کردہ و مصون از تغیر و تبدیل اور فاوحیٰ الی عبدہٖ ما اوحیٰ کے متعلق تفسیر نیشا پوری اور روح البیان و تاویلات ابو المنصور ماتری وغیرہا سے منقول ہو چکا ہے کہ آپ کو علم قیامت بہ تعلیم الٰہی حاصل تھا، مگر آپ اس کے کتمان پر مامور تھے اور کیوں نہ ہو کہ آخر آیت سورہ لقمان میں اسم خبیر مذکور ہے جس کے معنی خبر دہندہ بھی ہیں نیز جب قرآن و حدیث سے دیگر چاروں امور ثابت ہیں تو پانچویں کی نفی کیونکر ہو سکتی ہے، ہاں ذاتی علم غیب کی نفی پر ہمارا ایمان ہے اور ایسا ہی علم غیب بہ عطائے الٰہی پر بھی ایمان ہے۔ اگر آیات نفی و اثبات میں توفیق و تطبیق کا لحاظ نہ ہو تو آیات میں مخالفت اور مجادلہ لازم آتا ہے جو کسی طرح جائز نہیں ہے، اور منکرین آیات اثبات علم غیب سے انکار کرکے یؤمنون ببعض الکتاب ویکفرون ببعض کا مصداق ہو جاتے ہیں۔

## تمام مخلوقات کا علم

تفسیر عرائس البیان میں ہے مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتَابِ مِنْ شَیْءٍ اس آیت کے تحت میں لکھا ہے ای ما فرطنا فی الکتاب ذکر احدٍ من الخلق لٰکِنْ لَّا یُبْصِرُ ذکرہٗ فی الکتاب الا المؤیدون بانوار المعرفتہ یعنی اس کتاب میں مخلوقات میں سے کسی کا ذکر نہیں چھوڑا مگر اس کو کوئی آدمی آدمی کے سوا نہیں دیکھ سکتا جس کی تائید انوارِ معرفت سے کی گئی ہے۔ انوار التنزیل میں ہے، یعنی اللوح المحفوظ فانّہٗ مشتملٌ علیٰ ما یجری فی العالم من جلیلٍ ودقیق لم یہمل فیہ امر حیوانٍ ولا جمادٍ کتاب سے لوح محفوظ عبارت ہے اور ان حالات پر مشتمل ہے جو دنیا میں ہوتے ہیں، خواہ بہت بین یا باریک، اور اس میں حیوان و جماد کا ذکر نہیں چھوڑ گیا، خاذان میں ہے، ان القرآن مشتملٌ علیٰ جمیع الاحوال اب کتاب سے اگر مراد قرآن شریف لیں تو بھی اور اگر لوح محفوظ لیں تو بھی اس امر پر یقین کرنا پڑے گا کہ کوئی چیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم سے خارج نہیں، وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتَابٍ مُّبِیْنٍ یہاں بھی کتاب مبین سے مراد یا قرآن مجید ہے یا لوح محفوظ اور رطب و یابس سے مراد ماضی و مستقبل کے واقعات یا مقدورات کونیہ مراد ہیں، اس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وسعتِ علم سے انکار نہیں کیا جا سکتا، اگر کوئی معترض

اعتراض کرے کہ قرآن مجید تو ہمارے سامنے موجود ہے پھر ہم کیوں مقدورات کونیہ سے آگاہ نہیں تو اس کے جواب میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر پڑھ دینا کافی ہے ؎

جمیع العلم فی القراٰن لاکن — تقاصر عنہ افہام الرّجال

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق قصورِ فہم کا گمان ہی نہیں۔

۔ وَمَا ھُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ' اور وہ خبر غیب دینے میں بخیل نہیں، خازن میں ہے' یَقُوْلُ اِنَّہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ یَاتِیہ علم الغیب فلا یبخل بہ علیکم بل یعلمکم یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس غیب آتا ہے اور وہ اس میں تم پہ بخل نہیں کرتے بلکہ سکھاتے ہیں' اور یہ امر اسی وقت ممکن ہے جبکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم غیب حاصل ہے اور آپ لوگوں کو اس سے مطلع فرماتے ہوں۔

ویکون الرّسول علیکم شہیدا ' خازن میں ہے ثم یوتی بمحمدٍ علیہ السّلام فیسألہ عن حال امتہ کیھم ویشہد بصدقھم ' یعنی قیامت کے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بلایا جائیگا' پھر خدائے تعالیٰ آپ سے آپ کی امت کا حال پوچھیگا پھر آپ ان صفائی اور سچائی کی گواہی دیں گے' اور ایسا ہی تفسیر مدارک میں بھی ہے' تفسیر عزیزی میں ہے کہ رسول علیہ السلام مطلع است بنورِ نبوّت بر رتبہ ہر متدین بدین خود کہ در کدام درجہ از دینِ من رسیدہ' و حقیقت ایمان او چیست' و حجابے کہ بداں از ترقی محجوب ماندہ است کدام است' پس رمی شناسد گناہان شمارہ او اخلاص و نفاق شمار الہٰذا شہادت اور در دنیا و آخرت بحکم شرع در حق امت مقبول واجب العمل است' یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نورِ نبوّت کی مدد سے اپنے دین سے ہر متدین کے رتبے سے اطلاع رکھتے ہیں' نیز وہ جانتے ہیں کہ کیسے دین میں وہ کہاں تک پہنچا اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے اور وہ کونسا حجاب ہے جس کی بدولت وہ ترقی سے محروم رہا' پس آپ تمہارے گناہوں اور اخلاص و نفاق کو پہچانتے ہیں اس لئے آپ کی شہادت دنیا اور عقبیٰ میں امت کے حق میں شرعاً مقبول اور واجب العمل ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حق تبارک و تعالیٰ نے آپ کو علم غیب عطا کیا' ایسی نصوص اور

دلائل و نصح کے باوجود اس سے انکار کرنا محرومئ ایمان کی علامت ہے، خدا اس سے بچائے۔

تفسیر عزیزی میں مذکورہ عبارت کے آگے مندرج ہے، "آنچہ فضائل و مناقب و حاضران زبان خود مثل صحابہ و ازواج و اہل بیت یا غائبان از زمان خود مثل ادریس و مہدی و مقتول دجال یا از مصائب و مثالب حاضراں و غائباں ہے۔ فرمایۂ اعتقاد بر آں واجب است و ازیں است کہ در روایات آمدہ کہ ہر نبی را بر اعمال امتاں خود مطلع سازند کہ فلانے امروز چنیں میکند و فلانے چناں، تا روزِ قیامت ادائے شہادت تواں کرد۔

اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام جو اپنے زمانے میں موجودہ لوگوں کے فضائل و مناقب مثلاً صحابہ، ازواج اور اہلِ بیت کے متعلق یا ان لوگوں کے متعلق جو آپ کے زمانے میں نہیں مثلاً ادریس، مہدی یا مقتول دجال وغیرہ فرماتے ہیں، یا اپنے زمانے میں موجودہ یا غائب لوگوں کی بُرائیاں بیان فرماتے ہیں۔ تو اس پہ اعتقاد رکھنا واجب ہے، اسی بنا پہ روایات میں آیا ہے کہ ہر نبی کو اس کی امت کے احوال سے مطلع کرتے ہیں، کہ فلاں آج یہ اور فلاں وہ کام کرتا ہے تاکہ قیامت کے دن وہ اپنی امت پہ گواہی دے سکے۔

## علمِ غیب پر احادیثِ نبوی ؐ

اگرچہ کلامِ الٰہی میں اور بھی متعدد آیات ایسی ہیں جو علمِ غیب کے ثبوت میں پیش کی جا سکتی ہیں، مگر ہم انہیں پہ اکتفا کرتے ہیں کیونکہ اہلِ ایمان کی تشفی اور قلبی طمانیت کے لیے تو ایک آیت کا درج کر دینا بھی کافی ہے مگر ہم نے منکرین پہ اتمام حجت کے لیے اس قدر آیات درج کی ہیں، اور عین ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی اہلِ انصاف خالی الذہن ہو کر ان پہ غور و خوض کرے اور تائید ایزدی دولت و ایمان و ایقان سے مالا مال ہو۔ لیکن جس نے بصیرت کی آنکھوں پہ جہالت اور تعصب کی پٹی باندھ رکھی ہے، اس کے لیے اطمینان کا کوئی طریقہ نہیں، اب ہم اپنے دعوے کے مزید ثبوت کے لیے ذیل میں چند احادیث بھی درج کرتے ہیں اور ناظرین سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ ان سے سرمایۂ حسین یقین حاصل کریں گے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اپنی مسند میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور طبرانی ابو الدرداء سے مروی ہے، لَقَدْ تَرَكَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

علیہ وآلہ وسلّم وما یحرک طائر جناحیہ الا ذکر لنا منہ علماء یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اس حال میں چھوڑا، اور کوئی پرندہ اپنے پر نہیں ہلاتا، مگر اس کا علم ذکر ہم سے فرما دیا (اور اس کا علم ہمیں بتا دیا) اس میں یہ تردد لاحق ہوتا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دن قیامت تک کے سب حالات بتائے، یہ کیونکر ممکن ہے کیونکہ ایک دن وسعت نہیں رکھتا کہ اس میں اتنا بڑا کام سرانجام ہو سکے، اس کے جواب میں ہم عمدۃ القاری شرح بخاری کی عبارت نقل کرتے ہیں دلالۃ علی انہ اخبر فی المجلس الواحد بجمیع احوال المخلوقات من ابتدائھا الی انتہائھا وفی ایراد ذلک کلہ فی مجلس واحد امر عظیم من خوارق العادۃ کیف وقد اعطی مع ذالک جوامع الکلم یعنی اس حدیث میں اس امر پہ دلالت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ہی مجلس میں مخلوقات کے ابتدا سے لے کر انتہا تک جملہ حالات کی خبر دی اور ایک ہی مجلس میں سب حالات کا بیان فرما دینا ایک بڑا معجزہ ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق تعالیٰ نے جوامع الکلم عطا فرمائے، جیسا کہ داؤد علیہ السلام کو معمولی وقفے میں تمام زبور پڑھنے کی طاقت عطا کی گئی تھی، مشکوٰۃ المصابیح باب بدء الخلق و ذکر الانبیاء علیہم السلام ص ۵۰۸ میں ہے۔

عن ابی ھریرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال خفف علی داؤد القرآن فکان یامر بدوابہ فتسرج فیقرا القرآن قبل ان تسرج دوابہ، یعنی حضرت داؤد علیہ السلام قرآن (زبور) پڑھنا آسان کیا گیا تھا۔ پس وہ اپنے گھوڑوں پر زین کسنے کا حکم دیتے اور آپ زین کسے جانے سے پہلے زبور ختم کر لیتے، اس حدیث کے تحت میں مظاہر الحق جلد چہارم ص ۴۸۹ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے زمانہ کو طی و بسط کرتا ہے یعنی کبھی زیادہ زمانہ تھوڑا اور کبھی تھوڑا زمانہ زیادہ ہو جاتا ہے، سیدنا حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ، کے متعلق بھی منقول ہے کہ ایک رکاب میں پاؤں رکھتے اور قرآن مجید پڑھنا شروع کر دیتے اور دوسری رکاب میں پاؤں رکھنے تک ختم کر لیتے۔

عن عبد اللہ بن عمرو قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و فی یدیہ

کتابان فقال اتدرون ماھذان الکتابان قلنا لا یا رسول اللہ الا ان تخبرنا فقال لِلَّذِی فی یدہ الیمنی ھذا کتاب من رب العٰلمین فیہ اسماء اھل الجنۃ واسماء اٰبائھم وقبائلھم ثم اجمل علیٰ اٰخرھم فلا یزاد فیھم ولا ینقص منھم ابداً ثم قال للذی فی شمالہٖ ھٰذا کتاب من رب العٰلمین فیہ اسماء اھل النار واسماء اٰبائھم وقبائلھم ثم اجمل علیٰ اٰخرھم فلا یزاد فیھم ولا ینقص منھم ابداً۔

(مشکوٰۃ شریف کتاب الایمان باب الایمان بالقدر فصل ثانی حدیث سوم) مطبوعہ گلزار محمدی پریس لاہور۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ہماری طرف اپنے ہاتھوں میں دو کتابیں لئے ہوئے تشریف فرما ہوئے، اور فرمانے لگے کہ کیا تم جانتے ہو کہ یہ کتابیں کیا ہیں، ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہم نہیں جانتے مگر یہ کہ آپ ہمیں خبر دیں۔ پس فرمایا کہ یہ کتاب جو ہمارے دائیں ہاتھ میں ہے، یہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔ اس میں اہلِ جنت ان کے والدین اور قبائل کے نام ہیں، پھر ان میں سے آخری نام پر حساب مجمل کیا گیا (کہ تمام جنتی اتنے ہوئے) پس ان میں کمی بیشی نہ کی جائے گی، پھر فرمایا، جو کتاب بائیں ہاتھ میں ہے یہ بھی رب العالمین کی طرف سے ہے، اس میں اہلِ دوزخ معہ ولدیت وقبیلہ درج ہیں۔ پھر ان میں سے آخر والے پر حساب مجمل کیا گیا (جو کہ تمام دوزخی اتنے ہوئے) پس ان میں بالکل کمی بیشی نہ کی جائے گی۔ الیٰ آخرہ (رواہ ترمذی) اس کی شرح میں شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ محدث و محقق دہلوی، اشعۃ اللمعات (جلد اول ص۱۰۱ مطبوعہ نولکشور) میں فرماتے ہیں کہ کشف کردہ شد برآں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حقیقت ایں امر و مطلع شد براں چنانکہ شد و خفائے نماند درآں تمثیل و تصویر کرد معنی حاصل در قلب شریف بچیزیکہ گویا در دست اوست و حالانکہ در خارج کتابے نیست و نوشتہ نہ و اہلِ باطن و ارباب مکاشفہ گویند کہ وجود کتاب حق است و محمول بر حقیقت بے شائبہ مجاز و تاویل۔

## حضرتِ حسینؓ کی ولادت کی خبر

قال اللہ ان شاء اللہ غلاماً یکون فی حجرک (مشکوٰۃ شریف باب مناقب اہلِ بیت)

بروایت امّ فضل وارد ہے کہ اس نے (امّ فضل نے) حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا، کہ

میں نے آج رات ایک ناپسند خواب دیکھا ہے، حضور نے پوچھا، وہ کیا؟ اس نے عرض کی کہ میں نے دیکھا ہے کہ ایک ٹکڑا آپ کے جسم کا کاٹ کر میری گود میں رکھا ہے، حضرت نے سُن کر فرمایا کہ یہ خواب تو اچھا ہے، انشاء اللہ تعالیٰ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا، وہ تیری گود میں ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

## کسریٰ ہلاک ہوگا

اذا ھلک کسریٰ فلا کسریٰ بعدہٗ واذا ھلک قیصر فلا قیصر بعدہٗ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) یعنی جب کسریٰ ہلاک ہوگا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا اور جب قیصر ہلاک ہوگا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا۔ یہ بات آپ نے اس وقت ارشاد فرمائی جب کہ کسریٰ و قیصر کی عظمت شان اپنی انتہائی بلندی پر تھی، اور کسی آدمی کے ذہن میں بھی ان کے زوال کا خیال نہ آتا تھا لیکن تاریخ بلکہ آج تک کا مشاہدہ اس پر شاہد ہے کہ جو کچھ آپ نے فرمایا وہ حرف بحرف پورا ہوا، اور ایران میں کسریٰ کی شاہنشاہیت اور روم میں قیصر کی شاہنشاہیت کا خاتمہ اس طرح ہوا کہ ایران میں مجوسی شاہنشاہ اور روم میں رُومی شاہنشاہ کا وجود کسی کو نظر نہ آیا۔

## فتح خیبر کا علم

خیبر میں یہودیوں کی زبردست طاقت کی موجودگی نے اسلامی لشکر کے کئی حملے ناکام بنا دیئے، ایک دن آپ نے فرمایا، لاعطین ھذہ الرایۃ غداً رجلاً یفتح اللہ علیٰ یدیہ یحب اللہ ورسولہٗ ویحبہ اللہ ورسولہٗ یعنی کل میں یہ عَلَم اس شخص کے ہاتھ میں دونگا جس کے ہاتھ پر کل فتح ہو جائے گی، اور وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہے اور خدا اور رسول اس کو پیار کرتے ہیں پھر دنیا شاہد ہے کہ جس طرح آپ نے فرمایا تھا اسی طرح وقوع میں آیا۔

## صحابہؓ کے ہر سوال کا جواب

صحیح البخاری کتاب العلم میں ہے، ایک دفعہ آپ خطبہ دے رہے تھے کہ بعض صحابہؓ نے آپ سے کچھ سوال کئے، جو آپ کی طبع مبارک پر ناگوار گزرے۔ پھر آپؐ نے پُرجوش انداز میں فرمایا، سلونی عما شئتم یعنی مجھ سے جو چاہو دریافت کرو، جس کے جواب میں کچھ حضرات

نے مختلف سوالات کئے اور ان کے صحیح جوابات پائے، آپ بار بار فرماتے تھے، کہ پوچھو مجھ سے پوچھو مجھ سے، یہ حالت دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں اللہ اپنا رب، محمد اپنا رسول اور اسلام اپنا دین پسند ہے۔

## ایک صحابی کا حشر

ایک غزوہ میں ایک شخص بڑی تندہی سے دشمنانِ اسلام کے مقابلے میں جنگ کر رہا تھا بعض صحابہ کرام نے اس کے جانبازانہ حملوں کی بنا پہ اس کی تعریف کی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ جہنمی ہے، اس پہ صحابہ کرام کو تعجب ہوا۔ ایک صحابی تفتیش حال کے لئے اس کے پیچھے ہوئے اور دیکھا کہ لڑائی میں اسے ایک زخم آیا لیکن اس نے بے صبری کی اور خودکشی کر لی، وہ صحابی رضی اللہ عنہ جناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور حقیقت حال سے خبر دی اور شہادت دی کہ آپ خدا کے سچے رسول ہیں اصل واقعہ سے آگاہ ہو کر صحابہ کا تعجب رفع ہوا۔ ملخصاً

اسی طرح ایک اور شخص کسی غزوہ میں قتل ہوا، اور کسی نے آکر خبر دی کہ فلاں آدمی شہید ہوا، آپ نے سن کر فرمایا، کہ شہادت اس کی قسمت میں نہیں کیونکہ وہ مالِ غنیمت میں سے ایک عبا چرانے کی وجہ سے دوزخ میں ہے اور میں نے خود اسے دوزخ میں دیکھا ہے ملخصاً

## خلافتِ راشدہ کی مدت کا تعین

آپ نے ارشاد فرمایا کہ خلافت (حکومتِ الٰہیہ) تیس برس تک رہے گی پھر ملوکیت ہو جائے گی یہ مدتِ خلافت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت پہ ختم ہوتی ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے ایک کنواں دیکھا، اس پہ ڈول پڑا ہوا تھا میں نے کنوئیں میں سے پانی کے اتنے ڈول نکالے جتنے خدا نے چاہے، پھر یہ ڈول ابن قحافہ (صدیق اکبرؓ) نے لے لیا اور ایک دو ڈول پانی نکالا لیکن ان پہ ضعف کا اثر تھا عفا اللہ تعالیٰ عنہ، پھر یہ ڈول جسامت میں بہت بڑھ گیا تو ابنِ خطاب (فاروق اعظمؓ) نے ہاتھ میں لیا اور بڑی ہمت سے کھینچا۔ میں نے کسی طاقتور کو اس طرح کھینچتے نہیں دیکھا حتیٰ کہ حوض پانی سے بڑھ گیا اور پینے والے چاروں طرف بکثرت جمع ہو گئے (ملخصاً)

اس میں شیخین کی خلافت کا اشارہ ہے جسے خدا ئے تعالیٰ نے پورا کر دیا۔

صحیح بخاری مناقب ابوبکر اور جامع ترمذی مناقب عثمان میں ہے کہ ایک دفعہ آپ حضرت ابوبکر۔ عمر اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی معیت میں کسی پہاڑ پر تشریف فرما تھے کہ اچانک پہاڑ لرزنے لگا، آپ نے فرمایا، کہ اے پہاڑ ٹھہر جا تجھ پر ایک رسول، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔ اس میں حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شہادت کی طرف اشارہ تھا (ملخصاً)

## امام حسنؓ کے کردار کی وضاحت

صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ آپؐ نے حضرت امام حسن علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ میرے اس فرزند کے ذریعے سے خدا مسلمانوں کے دو گروہوں میں مصالحت کرائے گا چنانچہ آپ کے زمانۂ خلافت میں ایسا ہی ہوا۔ اسی طرح آپؐ نے حضرت علی۔ حضرت امام حسین حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو شہادت کی خبر دی اور آپؐ نے آئندہ واقعات کے متعلق اس قدر پیش گوئیاں کیں جن کا احاطہ مشکل ہے اور وہ سب کی سب حرف بحرف پوری ہوئیں۔ قرآن مجید، کتب احادیث اور مستند تاریخیں اس امر کی شاہد ہیں۔

## علماءِ امت کے نظریات

اب ہم ذیل میں مقتدر علمائے امت کے اقوال بھی درج کرتے ہیں جنہوں نے اس مسئلہ پر اظہار خیال ہے اور جن سے اس مسئلہ میں بے دینوں کی آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی روشنی پڑتی ہے۔

(۱) علامہ محمد صادق علی قصیدہ بردہ شریف کی شرح میں بہ تحت و من علومك علم اللوح والقلم فرماتے ہیں " علم تو محیط است بجمیع اشیا آنچہ بر صفحۂ لوح محفوظ از زبان قلم رسیدہ الی قولہ و مراد از لوح لوح محفوظ کہ قلم اعلی الحکم قادر مختار تقدیرات جمیع مخلوقات را در اں ثبت کردہ و مصون است از تغیر و تبدیل" یعنی آپؐ کا علم تمام اشیاء پر جو زبان قلم سے صفحۂ لوح محفوظ تک پہنچی ہیں محیط ہے ..... اور لوح سے مراد لوح محفوظ ہے جس میں قادر مطلق کے حکم سے قلم اعلیٰ نے تمام مخلوق کی تقدیریں تحریر کر دی ہیں، اور وہ ہر قسم کے تغیر و تبدل سے محفوظ ہے۔

## ملا علی قاری

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اسی کے تحت میں فرماتے ہیں، "وکون منہا من علومہ علیہ السلام تتنوع الی الکلیات والجزئیات و حقائق ومعارف وعوارف تتعلق بالذات والصفات وعلمہا یکون نہرًا من بحور علمہ وحرفًا من سطور علمہ" اور لوح محفوظ کے علوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علوم کا ایک جزو ہیں کیونکہ آپ کے علوم کلیات جزئیات حقائق، معارف اور ان کے عوارف سے جن کا تعلق ذات صفات سے ہے، پر منقسم کیا' اس لئے لوح محفوظ کا علم علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علم کی ایک نہر ہے' اور آپ کی سطور علم میں سے ایک حرف ہے۔"

اگر یہاں معترض اعتراض کرے کہ اگر لوح محفوظ کا علم آپ کے علم کا ایک جزو ہے' تو دوسرے اجزا کونسے ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ لوح محفوظ میں صرف قیام قیامت تک کے حالات مندرج ہیں لیکن آپ واقعات قیامت اور مابعد قیامت سے بھی آگاہ ہیں لیکن اس کے باوجود آپ کا علم متناہی ہے' لامتناہی علوم صرف ذات باری تعالیٰ کے ہیں' جس کی ابتدار اور انتہا نہیں۔ شہید عفی عنہٗ)

## شیخ عبدالحق محدث دہلوی

مدارج النبوۃ میں حضرت شیخ عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ محدث نے ارقام فرمایا ہے" وی صلی اللہ علیہ وسلم دانا است ہمہ چیز از شیونات ذات الٰہی و احکام الٰہی و احکام و صفات حق و اسماء و افعال و آثار و بجمیع علوم ظاہر و باطن و اول و آخر احاطہ نمودہ، و مصداق فوق کل ذی علم علیم شد یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمام اشیاء، شیون' احکام الٰہی' صفات حق' اسماء، افعال اور آثار کے جاننے والے ہیں اور تمام علوم ظاہری و باطنی' اولین وآخرین پہ احاطہ فرما کر فوق کل ذی علم علیم کے مصداق ہوئے۔ نیز اسی کتاب میں ہے۔" از زمان آدم تا نفخۂ اولیٰ بروے علیہ السلام منکشف ساختند تا ہمہ احوال (او) از اول تا آخر معلوم گردد' و یاران خود را نیز از بعضے احوال خبر داد" حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نفخۂ اولیٰ تک کے حالات آپ پہ منکشف فرمائے تاکہ اول سے آخر تک تمام حالات آپ کو معلوم ہو جائیں۔

**ابنِ تیمیہ** علّامہ ابنِ تیمیہ حرّانی نے صحیحین کے حوالے سے ایک حدیث نقل کی ہے جس کا مفہوم یہ ہے (الفرق بین اولیاء اللہ و اولیاء الشیطان) کہ حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام اور موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے مابین بحث ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ابوالبشر! اللہ تعالیٰ نے آپ کو پیدا کیا۔ آپ میں اپنی روح پھونکی اور ملائکہ سے آپ کے لئے سجدہ کرایا مگر آپ نے ہمیں اور اپنے آپ کو جنت سے نکالا۔ حضرت ابوالبشر علیہ السلام نے جواب میں کہا کہ خدا نے آپ کو صفت کلیمی سے برگزیدہ کیا، آپ کو تورات عطا فرمائی مجھے یہ تو بتایئے کہ آپ نے میری پیدائش سے کتنی مدت پہلے یہ آیت لکھی ہوئی دیکھی، وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ چالیس سال پہلے، حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ پھر آپ مجھے ایسی بات پر کیوں ملامت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے میری پیدائش سے چالیس سال پہلے میری تقدیر میں لکھ دی تھی، یہ جواب سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خاموش ہونا پڑا۔

ہم مخالفین سے پوچھتے ہیں کہ حضرت آدم اور موسیٰ علیہما السلام کے زمانوں میں بُعد المشرقین ہے۔ پھر یہ مکالمہ کس طرح اور کہاں ہوا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پتہ چلا کہ یہ آیت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے چالیس سال پہلے ہی لکھی جا چکی تھی؛ حضور علیہ السلام تک یہ بات کیونکر پہنچ گئی؟ کیا ان سوالات کے جوابات امورِ غیبیہ میں سے نہیں اگر ہیں (اور یقیناً ہیں) تو پھر مخالفین غیب عطائی کے منکر ہو کر کئی نصوص اور احادیث کا کیوں انکار کرتے ہیں جس سے ارتکاب کفر لازم آتا ہے۔

**منکرین علمِ غیب کے دلائل** ہم ذیل میں منکرین کے دلائل نقل کرتے ہیں اور ساتھ ہی مثبتین علمِ غیب کے جواب بھی درج کرتے ہیں، فریقین کے دلائل کے بعد ہم مختصر مگر فیصلہ کن محاکمہ لکھیں گے (انشاء اللہ)

آیت ۱ــ وعندہ مفاتیح الغیب لا یعلمھا الا ھو "یعنی غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں اور غیب کو کوئی نہیں جانتا مگر وہ۔"

**الجواب** آیت مذکورہ علمِ غیب ذاتی کی نفی ہے نہ کہ غیب عطائی کی۔ اگر علمِ غیب عطائی

کی نفی تسلیم کی جائے تو ان آیات کے کیا معنی ہوں گے جو اثبات علم غیب میں پیش کی گئی ہیں اور متعدد تفاسیر سے جو مستند حوالے پیش کئے گئے ہیں ان کی کیا تاویل کی جائے گی۔

**فائدہ لطیفہ۔** عندہٗ مفاتیح الغیب لہٗ مقالید السمٰوٰت والارض میں اہلِ ایمان کو کچھ اور ہی بات نظر آتی ہے یعنی مفاتیح کا پہلا اور آخری حرف (م ح) مقالید کے پہلے اور آخری حرف (م د) سے ملانے سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم پاک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنتا ہے یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدائے تعالیٰ کے خزانہ علوم کی کنجیاں عطا ہوئیں اور اہلِ ایمان کو اس میں ذرا بھی شک نہیں کیونکہ ان کا تو پہلے ہی یہ عقیدہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات مبارک ہی قاسم العلوم والانعام ہے اور خدائے تعالیٰ کا فضل و انعام جس پہ جس حالت میں بھی ہو۔ آپ کی روح پاک کی معرفت ہی ہوتا ہے۔ جس طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علوم کا دروازہ تھے (انا مدینۃ العلم وعلیٌّ بابہا) اسی طرح خدائے تعالیٰ کے علوم غیبیہ و اسرار خفیہ کے خزائن کے کلید بردار آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں، اور یہ بات امر واقعہ اور حقیقت کی جان ہے، بخاری شریف میں عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اُعطیت مفاتیح خزائن الارض یعنی زمین کے خزانوں کی کنجیاں مجھے عطا کی گئیں۔

پس آیت مذکورہ اور دیگر آیات و احادیث میں جن میں علم غیب کا اثبات ہے، یوں تطبیق ہو سکتی ہے کہ تعلیم الٰہی کے بغیر آپ علوم الٰہیہ کو نہیں جانتے، اور یہ تعلیم الٰہی سے بعض غیوب آپ کو حاصل ہیں۔ یعنی علوم الٰہی کے خزانوں کی کنجیاں آپ کو بعطائے الٰہی حاصل ہوئی ہیں۔ اپنی ذات سے نہیں، اور اہل سنت والجماعت کی تفاسیر کا خلاصہ بھی یہ ہے کہ آپ کا علم غیب عطائی ہے ذاتی نہیں، اور تفسیر احمدی میں لکھا ہے کہ مفاتیح الغیب سے وہ پانچ غیوب مراد ہیں جو سورۂ لقمان کے آخر میں بیان ہوئے، اور ان کا حاصل ہونا بہ تعلیم الٰہی اپنے موقعہ پر آئے گا۔

تفسیر روح البیان میں آیت عندہٗ مفاتیح الغیب ــ الآیۃ کے تحت میں لکھا

ہے "فعلم ان الغیب مختص باللہ تعالیٰ وما ورد عن الانبیاء والاولیاء من الاخبار عن الغیوب فبتعلیم اللہ تعالیٰ اما بطریق الوحی او بطریق الالہام والکشف فلا ینافی ذلک اختصاص علم الغیب بما لا یطلع علیہ الا الانبیاء والاولیاء والملٰئکۃ کما اشار الیہ بقولہ عٰلم الغیب فلا یظہر علیٰ غیبہ احدا الا من ارتضیٰ من رسول۔ ۱۵۱"

پس معلوم ہوا کہ علم غیب حق تعالیٰ سے خاص ہے اور انبیاء اولیاء سے جو غیب کی خبریں دینی مروی ہیں، پس وہ خدا کی تعلیم سے ہیں یا بطریق وحی یا بطور کشف والہام پس جس علم پر سوائے انبیاء اولیاء اور ملائکہ کے کوئی مطلع نہیں ہوا۔ وہ حق تعالیٰ سے ہی خاص ہے جیسا کہ آیت عٰلم الغیب فلا یظہر۔۔ الخ کے مضمون سے ظاہر ہوتا ہے، مواہب لدنیہ، انوار محمدیہ، مدخل ابن حاج اور زرقانی شرح مواہب میں لکھا ہے

لَا فَرْقَ بَیْنَ مَوْتِہٖ وَحَیَاتِہٖ فی مشاھدتہٖ لامتہٖ ومعرفتہٖ باحوالھم دنیا لھم وعزئمھم وخواطرھم وذلک عندہٗ جلیٌّ لاخفا بہٖ، انوار محمدیہ اور مواہب کے اسی صفحہ پر عبارت مذکورہ کے تحت میں فرمایا ہے فان قلت ھذہ الصفات مختصۃ باللہ تعالیٰ فالجواب من انتقل الی عالم البرزخ من المومنین یعلم احوال الاحیاء غالبا وقد وقع کثیراً من ذلک کما ھر مسطور مدی ابن المبارک عن سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ لیس من یوم الا یعرض علی النبی اعمال امتہٖ غدوۃ وعشیا فیعرف سیماھم واعمالھم ولذالک یشہد علیھم کما قال اللہ تعالیٰ وجئنا بک شہیدا۔ ربدورالسافرہ و مواہب ، من عینیم ؛

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندگی اور وفات کی حالت میں اپنی امت کے احوال نیات، ارادے اور قلبی وساوس کے دیکھنے اور پہچاننے میں برابر ہیں اور یہ بات ان کے نزدیک جلی ہے خفی نہیں، اور ابن مبارک نے سعید بن مسیب سے روایت کیا کہ ہر روز امت کے عمال جو کہ وہ صبح اور شام کرتے ہیں، آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

پیش کئے جاتے ہیں، پس آپ ان کے چہروں سے ان کے اعمال کو پہچانتے ہیں خواہ وہ اعمال وہ (خلق) ہوں یا دلی، بدنی ہوں یا مالی، اچھے ہوں یا بُرے اسی بنا پر آپ قیامت کے دن امت کے اعمال نیک و بد کی شہادت دیں گے اور اعمال بد پر امت کی رستگاری کے لئے شفاعت فرمائیں گے۔

اور زرقانی میں عبارت مذکور کے بعد فرماتے ہیں (من انتقل عالم البرزخ من المؤمنین) الکاملین (یعلم احوال الاحیاء غالباً) باعلام اللہ تعالیٰ وتعرض علی الانبیاء والآباء والامہات یوم الجمعۃ فیفرحون بحسناتھم وتزداد وجوھھم بیاضا واشراقا فاتقوا اللہ ولا تؤذوا امواتکم (رواہ الترمذی الحکیم) ترجمہ۔ اور مومنین میں سے جو دنیا سے عالم برزخ کی طرف انتقال فرماتے ہیں (یعنی کامل مومنین) اکثر زندوں کے احوال کو جانتے ہیں باعلام الٰہی، اور ایک حدیث کی رو سے پیش کئے جاتے ہیں، ان کے اعمال ہر جمعرات اور پیر کے دن خدا تعالیٰ کے سامنے ان کے حالات ہر جمعہ کے دن ان کے والدین اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں پس وہ ان کی نیکیوں سے خوش ہوتے ہیں اور ان کے چہروں پہ سفیدی اور روشنی زیادہ ہوتی ہے۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور اپنے فوت شدگان کو (اعمال بد سے) ایذا نہ دو (رواہ ترمذی) اور یہی حدیث امام ابو عبداللہ قرطبی کے تذکرہ سے ابن حاج نے مدخل میں نقل کی ہے۔

## صاحب تقویۃ الایمان کا عقیدہ

تقویت ایمان صفحہ ۱۰ میں لکھا ہے قال اللہ تعالیٰ قل لا یعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللہ وما یشعرون ایان یبعثون' اس آیت کا مطلب مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ تمام غیبی علوم ذاتی طور پہ خدا کے بغیر کوئی نہیں جانتا اور یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ذاتی علم غیب صرف خدا تعالیٰ کے لئے ہی ہے اور آیت میں اسی کی نفی ہے، یعنی تمام غیبی علوم کوئی نہیں جانتا نیز بغیر بتائے کسی کو معلوم نہیں تفسیر مدارک میں ہے والغیب مالم یقم علیہ دلیل ولا اطلع علیہ مخلوق یعنی غیب وہ ہے جس پہ کوئی دلیل قائم نہ ہو اور کسی مخلوق کو اس پہ مطلع نہ کیا گیا' یعنی ہے ہی وہی

بات جس کی کسی کو بھی اطلاع نہ ہوئی ہو یعنی جس غیب کی کسی کو دہبی طور پہ اطلاع مل گئی، وہ غیب غیب نہ رہا، نہ اس کو غیب کہا جا سکتا ہے۔ اس سے لازمی طور پہ یہ نتیجہ نکلا، کہ غیب صرف ذاتی ہے اور جن آیات میں علم غیب کی نفی کی گئی ہے وہ اسی ذاتی غیب کی ہی ہے۔

وممن حولکم من الاعراب منافقون ومن اھل المدینة مردوا علی النفاق لا تعلمھم نحن نعلمھم، اس آیت سے بھی منکرین علم غیب نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علم غیب کی نفی کی ہے حالانکہ اس میں علم غیب ذاتی کی نفی ہے یا اس حالت کا ذکر ہے جس میں کہ آپ منافقین کے نفاق کو ظاہر کرنے پر مامور نہ تھے، پھر جب آپ مامور ہوئے تو آپ نے منافقین کو ان کے نام لے لے کر مسجد سے باہر نکال دیا اور یہ امر بھی مسلمات سے ہے کہ آپ کی آخری حالت پہلی حالت سے بلحاظ علم و کمالات بلند اور بہتر تھی کیونکہ آپ ساعت بہ ساعت ارتقا کی منازل طے کرتے جاتے، کما قال اللہ تعالیٰ وللآخرة خیر لک من الاولیٰ نیز آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا وقل رب زدنی علما، یعنی اے محبوب آپ ترقی علم کی دعا کریں، اور اپنے پروردگار کو کہیں کہ اے میرے پروردگار زیادہ کر میری سمجھ کو۔

تفسیر کبیر میں ممن حولکم من الاعراب منافقون کے تحت میں لکھا ہے

عن السدی عن انس بن مالک فقال اخرج یا فلاں فانک منافق اخرج یا فلاں فانک منافق، فاخرج من المسجد ناساً وفضحھم۔ ترجمہ۔ سدی نے انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضورؐ نے فرمایا کہ نکل اے فلاں کہ تو منافق ہے، اور نکل اے فلاں کہ تو منافق ہے، پس آپ نے منافقوں کو مسجد سے نکال دیا اور انہیں ذلیل و رسوا کیا، اور تفسیر در منثور میں امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن جریر اور ابن ابی حاتم سے طبرانی نے اوسط میں اور ابو الشیخ اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آیت مذکورہ کے ضمن میں لکھا ہے قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم الجمعة خطیباً فقال قم یا فلاں فاخرج فانک منافق فاخرجھم باسمائھم ففضحھم ولم یکن عمر

ابن الخطاب شہید تلک الجمعۃ الحاجۃ کانت لہ لقیھم عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وھم یخرجون من المسجد فاختبأ عمر منھم استحیاء انہ لم یشھد الجمعۃ وظن الناس قد انصرفوا واختبؤا ھم من عمر وظنوا انہ قد علم بامرھم فدخل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ المسجد فاذا الناس لم ینصرفوا فقال الرجل ابشر یا عمر فقد فضح اللہ المنافقین الیوم فھذا العذاب الاولیٰ والعذاب الثانی فی القبر۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ پڑھنے کو کھڑے ہوئے، تو فرمایا کہ اے فلاں اٹھ کہ تو منافق ہے، پھر منافقوں کو ان کے نام لے لے کر نکال دیا اور انہیں رسوا کیا، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس مجلس میں کسی وجہ سے حاضر نہیں ہوئے تھے۔ منافقوں نے گمان کیا کہ حضرت ہمارے حال سے آگاہ ہو گئے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں داخل ہوئے، درانحالیکہ منافق مسجد سے خارج ہو رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ منافقوں سے کترائے، کیونکہ آپ کو واقع کی خبر نہ تھی، اس لئے کہ آپ جمعہ سے رہ گئے تھے تو ایک آدمی نے کہا کہ اے عمرؓ خوشخبری ہو کہ آج خدا نے منافقوں کو ذلیل و خوار کر دیا، پس منافقوں کے لئے یہ پہلا عذاب ہے اور دوسرا عذاب قبر میں ہے اور ابوالشیخ نے ابی مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کیا۔ فی قولہ سنعذبھم مرتین فقال کان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعذب المنافقین یوم الجمعۃ بلسانہ علی المنبر و عذاب القبر یعنی خدا تعالیٰ کے اس قول میں کہ جلدی ہی ہم منافقوں کو دو مرتبہ عذاب دیں گے۔ اس نے کہا کہ ایک عذاب تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی زبان مبارک سے منبر پہ کھڑے ہو کر ان کو دے دیا اور دوسرا عذاب قبر میں ہوگا۔

تفسیر سراج المنیر میں حضرت علامہ محمد شربینی الخطیب سدی کی روایت مذکورہ کے بعد فرماتے ہیں، قال قیل کیف ھذا مع قولہ تعالیٰ لاتعلمھم نحن نعلمھم اجیب بانہ تعالیٰ اعلمہ بھم بعد ذلک ترجمہ۔ اگر کہا جائے کہ خدا کے اس قول کی موجودگی میں (کہ آپ ان منافقوں کو نہیں جانتے ہم جانتے ہیں) یہ واقعہ کیونکر ہوا، تو میں اس کا جواب

یہ دُونگا کہ حق تبارک وتعالیٰ نے آپ کو منافقوں کو اطلاع دے دی یعنی نفی مذکورہ کے بعد آپ کو منافقین کے احوال سے مطلع فرما دیا' اور ایسا ہی تفسیر معالم التنزیل اور خازن وغیرہ میں بھی منقول ہے' اس واقعہ کو مولوی محمد لکھوی نے بھی اپنی تفسیر میں اور کتاب "زینت الاسلام" میں تحریر کیا ہے۔

ہم بھی تو اس بات کے قائل ہیں کہ جو علم آپ کو پہلے نہیں ملا تھا وہ بفضلہ تعالیٰ بعد میں عطا ہوا جیسا کہ. علّمك ما لم تكن تعلم وكان فضل الله عليك عظيماً کے ضمن میں پیشتر بیان ہو چکا ہے۔ پس ہم منکرین سے صرف یہ پوچھتے ہیں کہ جس چیز کا علم آپ کو دیا گیا کیا اس کے سلب کئے جانے کے متعلق تمہارے پاس کوئی دلیل ہے۔

ہاں بوقت عتاب یا کسی حکمت کے اظہار کے لئے حجاب ہو سکتا ہے جیسا کہ یعقوب علیہ السّلام کو عتاب کے وقت اور حضرت عزیر علیہ السّلام کو اظہار حکمت کے لئے ایسا وقوع میں آیا جو اپنے موقعہ پر آئے گا' انشاء اللہ تعالیٰ۔

مواہب اللدنیہ میں طبرانی سے بروایت ابن عمر مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے دنیا کو ظاہر فرمایا' پس میں دنیا اور جو کچھ اس میں تا قیامت ہونے والا ہے کی طرف اس طرح دیکھ رہا ہوں جس طرح اپنی ہتھیلی کی طرف علامہ زرقانی شرح مواہب اللدنیہ قسطلانی جلد ۷ صفحہ ۲۳۴ میں لکھتے ہیں ان اللہ قد رفع اسے اظہر وکشف لی الدنیا بحیث احطت بجمیع ما فیہا' فانا انظر الیہا والی ما ھو کائن فیہا الی یوم القیامۃ کانما انظر الی کفی ھذہٖ اشارۃ الی انہ نظر حقیقۃ رفع بہ انہ' ارید بالنظر العلم' اس سے صاف مترشح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے لئے دنیا ظاہر ہوئی اور حضورؐ نے جمیع ما فیہا کا احاطہ کر لیا اور حضورؐ کی اس بات سے کہ میں دنیا اور جو کچھ اس میں تا قیامت ہونیوالا ہے کو اپنی کفِ دست کی مانند دیکھ رہا ہوں' یہ مراد ہے کہ آپ نے جو کچھ دیکھا نظر حقیقت سے دیکھا نہ کہ نظر مجاز سے۔

قل لا املك لنفسی نفعًا ولا ضرًّا الا ما شآء اللہ' ولو کنت اعلم الغیب

لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء ان انا الا نذیر و بشیر لقوم یومنون ۔
یعنی آپ کہہ دیجئے کہ میں اپنی جان کے نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتا مگر جو کچھ خدا چاہے اور اگر میں جانتا تو بے شک بہت سی بھلائی جمع کر لیتا اور مجھے برائی نہ چھوتی، میں تو فقط ان لوگوں کو ڈرانے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں جو کہ یقین رکھتے ہیں۔

تفسیر حسینی میں آیت مذکورہ کے تحت ہیں۔ کہ دانستے من غیب را بے تعلیم الٰہی اور موضح القرآن میں بھی اس آیت کے تحت میں لکھا ہے۔ "اگر ہوتا میں کہ جانتا میں بے تعلیم خدا البتہ زیادہ کرتا" میں مال اور نفع سے اور فتح و غنیمت سے" یعنی اگر میں بذات خود غیب جانتا تو مال دنیا جمع کر لیتا، اور مجھے فقر لاحق نہ ہوتا، پس جب مجھے حق تبارک و تعالیٰ سے تعلیم حاصل ہوئی تو میں نے مال دنیاوی کو ترک کر دیا اور فقر و درویشی کو اختیار کیا، یعنی میں نے اپنی رضا کو مشیت الٰہی کے بالکل تابع کر دیا۔ بمصداق ؎

رشتہ در گردنم افگندہ دوست  می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

یعنی یہ سب کچھ محض اسی لئے ہے کہ تائید ایزدی نے مجھے یوں ہی سکھایا، اور اگر یہ معنی لئے جائیں کہ میں بہت سی بھلائی لے لیتا، اور برائی مجھ کو نہ چھوتی، تو یہاں آپ کے لئے کثرت خیر اور عدم سوء ثابت کرنا ہوگا، اور اس کے ثابت ہو جانے سے آپ کے لئے غیب بہ تعلیم الٰہی خود بخود ثابت ہو جائیگا کیونکہ شرط و مشروط لازم و ملزوم ہیں، قرآن مجید میں ہے۔ انا اعطینٰک الکوثر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں رقم طراز ہیں۔

"کوثر در لغت خیر بسیار را گویند، مشتق از کثرت است الیٰ قولہ و نیز شامل است علم بسیار را و کثرت علم دریں امت نیز خیلے مشاہد و محسوس است" آیت مذکورہ سے کثرت خیرات ثابت ہوگئی نیز قرآن مجید میں آپ کا مسلمانوں کو حکمت و کتاب سکھانا اور تزکیہ کرنا بھی مذکور ہے اور من یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا کی رو سے آپ کے فیض یافتہ جب کثیر کے مصداق ٹھہرے تو آپ معلم حکمت ہونے کی صورت میں بدرجہ اولیٰ صاحب خیر کثیر قرار پائیں گے۔ کلام الٰہی میں حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق ہے کذالک لنصرف عنہ السوء والفحشاء انہ من عبادنا المخلصین۔ (ترجمہ از مولوی

اشرف علی تھانوی) ہم نے اسی طرح ان کو علم دیا' تاکہ ہم ان سے صغیرہ و کبیرہ گناہ کو دُور رکھیں' وہ ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے تھے۔" اب غور فرمایئے کہ جب یوسف علیہ السلام کے لئے عدمِ سُو بہ حیثیت مخلص ہونے کے ثابت ہے تو کیا یوں اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے مِن کل الوجوہ ثابت نہیں ہوگا" ضرور ہوگا' اور بالضرور ہوگا بلکہ جملہ انبیاء کے متعلق عدمِ سو کا اعتقاد ضروری ہے' پس جب کثرتِ خیر اور عدمِ سو کا ثبوت مل گیا' جو کہ مشروط تھا تو شرط کا وجود بھی ضروری ہوا' یعنی غیب بہ تعلیم الٰہی۔

قرآن مجید نے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کردار تو ایک طرف گفتار پہ بھی فتویٰ دے دیا' کہ وہ بات چیت بھی اپنی مرضی سے نہیں کرتے بلکہ خدا کی رضا کے ماتحت کرتے ہیں' وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ۔ ان آیات کی موجودگی میں آپ کے متعلق کثرتِ خیر اور عدمِ سو کا اعتقاد لازمی ہے۔

## وما ادری مایفعل بی کی دلیل

قل ماکنت بدعًا من الرّسل وما ادری مایفعل بی ولا بکم۔

آپ کہہ دیجئے کوئی مَیں انوکھا رسول تو نہیں ہوں اور مَیں نہیں جانتا میرے ساتھ کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا۔ یہ آیت سورۂ فتح کی آیت انا فتحنا لک فتحا مبینا لیغفرلک اللہ ما تقدّم من ذنبک وما تاخّر الیٰ قولہٖ وکان ذالک عند اللہ فوزاً عظیماً سے منسوخ ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ حکم نسخ احکام میں واقع ہوتا ہے' اخبار میں نہیں' یہ غیر صحیح ہے کیونکہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور اکثر علماء کے نزدیک ان دونوں میں حدیث صحیح کی رُو سے نسخ جاری ہے جیسا کہ تفسیر لباب التاویل فی معانی التنزیل میں آیت وَاِنْ تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ کے نیچے لکھا ہے' جب یہ آیت اُتری تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام پہ شاق گذری' پھر اللہ تعالیٰ نے آیت لَا یکلّفُ اللہ نفساً الّا وُسْعَھَا سے اِس کو منسوخ کیا اور اکثر تفاسیر میں بھی ایسا ہی ذکر ہوا ہے۔ پس صحیح احادیث اور غیر معتبر تفاسیر کی شہادت سے اخبار میں نسخ ثابت ہوگیا ہے تو آیت مذکورہ کو بطور استدلال پیش کرنے کی کیا ضرورت رہی کیونکہ آیت

وما ادری ما یفعل بی آیت لیغفرلک اللہ سے منسوخ ہے اور اس سے بہت پہلے کی حالت ہے' نیز یہ اس قسم کی خبر ہے جو حکم سے متعلق ہے۔

پس یہ نسخ حکم کے تعلق کی وجہ سے جائز ہے اور نسخ اخبار حضرت ابن عباس حضرت انس' حضرت قتادہ' حضرت عکرمہ' حضرت حسن اور حضرت ضحاک رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا مذہب ہے' جلالین کے حاشیہ جمل میں بحوالہ تفسیر قرطبی منقول ہے کہ وما ادری ما یفعل بی ولا بکم کا معاملہ قیامت کا ہے جب آیت اتری تو مشرکین یہود اور منافق سب خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم ایسے نبی کی کیا اتباع کریں جس کو یہ بھی معلوم نہیں کہ آئندہ اسے اور ہمیں کیا پیش آئے گا اور بے شک ہم پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ اگر یہ خدا کا فرستادہ سچا نبی ہوتا تو جو کچھ اس سے ہونا تھا اس کی خبر دے دیتا

پس یہ آیت لیغفرلک اللہ نازل ہوئی جس سے مومن لوگ خوش ہو گئے اور منکر ذلیل و رسوا ہوئے' قرآن مجید میں بہت سی آیات ایسی ہیں جو اخبار غیب پر مشتمل ہیں اور اس امر کی مصدق ہیں کہ آیت وما ادری منسوخ ہو چکی' اور علم غیب آپ کو بہ تعلیم الٰہی حاصل ہو گیا مثلاً سورہ روم کی ابتدائی آیات' یا یہ آیت ونزلنا علیک الکتاب تبیاناً لکل شیئ یا اٹھارہویں سیپارے کی ابتدائی آیات' وغیرہ ذالک۔

## پانچ چیزوں کا علم

ان اللہ عندہٗ علم الساعۃ وینزل الغیث ویعلم مافی الارحام' وماتدری نفسٌ ماذا تکسب غدا وماتدری نفسٌ بای ارضٍ تموت' ان اللہ علیمٌ خبیر (سورہ لقمان) بے شک اللہ ہی کے پاس ہے خبر قیامت کی اور وہی اتارتا ہے مینہ اور جانتا ہے جو کچھ کہ مادہ کے پیٹ میں ہے' اور نہیں جانتا ہے کوئی کہ کیا کرے گا کل' اور نہیں جانتا کوئی کہ کس زمین میں مرے گا کہ بے شک اللہ بڑا جاننے والا ہے۔ خبردار' (تقویۃ الایمان ص ۱۸)

آیت مذکورہ میں پانچ چیزوں کا علم جو ذات باری تعالیٰ سے مخصوص ہے' بے شک مخلوق میں سے کوئی بذات خود اور بالاستقلال اسے نہیں جانتا اور جو بالذات بلا تعلیم الٰہی جاننے کا مدعی ہو وہ کافر ہے مگر بعطائے الٰہی یہ علم انبیاء علیہم السلام کو ان کی بعثت میں

اولیائے عظام کو بھی حاصل ہے جو آیات قرآنیہ اور احادیث سے ثابت ہے جس کا انکار
کفر ہے، پس اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ یہی ہے کہ جس قدر اور جس کو چاہتا ہے
عطا فرماتا ہے۔ آیت مذکورہ میں مخلوق کے لئے ذاتی علمِ غیب کی نفی ہے۔ عطائی کی نہیں
جیسا کہ صفحات گذشتہ میں مذکور ہوا ہے نیز آیت کے آخر میں اسم خبیر ہے جس کے معنے
خبردار اور خبر دہندہ ہیں، جیسا کہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں
(وما ادری ما یفعل بی کے ضمن میں) اور علمِ غیب عطائی کا انکار کسی صورت میں نہیں ہو
سکتا، اس لئے کہ قرآن مجید میں ایسی کئی خبریں موجود ہیں، اب اگر کوئی سوال کرے کہ
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وہ خبریں کہاں سے ملیں تو اس کا جواب یہی ہے کہ حق تبارک
وتعالیٰ سے اور اسی کا نام ہم نے علمِ غیب عطائی رکھا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ علمِ غیب
کی مذکورۃ الصدر پانچ اقسام میں سے جو ذات باری تعالیٰ سے مخصوص ہیں، مخلوق کو بھی
کچھ حصہ ملا یا، کہ بالکل نہیں، یہ ثبوت بحوالہ آیات قرآنی واحادیث صحیحہ ملاحظہ فرمایئے۔

**علم الساعۃ**

قسم اوّل: علم الساعۃ ہے، قیامت کی آمد کے متعلق قرآن مجید اور
احادیث میں اس قدر اشارات موجود ہیں کہ ان کا حصار مشکل ہے
جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو قیامت کے متعلق پورا علم خدا تعالیٰ کی طرف سے
عطا ہوا تھا لیکن آپ اس کو تمام ظاہر کرنے پر مامور نہ تھے لیکن جو واقعات قیامت
کے دن ظہور پذیر ہونے والے ہیں ان میں سے جستہ جستہ اس طرح آپ نے بیان فرمائے
جس سے صاف مترشح ہوتا ہے کہ یہ گویا آنکھوں دیکھے ہوئے واقعات ہیں، ہمیں ان کے تتبع
سے کئی اہم امور معلوم ہوتے ہیں یعنی اگر زبان وحی ترجمان نہ ہوتی تو ہمیں کیونکر قطعی طور پر
یقینی طور پہ معلوم ہو سکتا کہ اختتام دنیا کے بعد ایک دن ایسا بھی آنے والا ہے جس کو
قیامت کہتے ہیں اور اس میں ہر ایک کے سامنے اس کے اچھے برے اعمال آجائیں گے
اور ان پہ جزا وسزا مرتب ہوگی۔ وقوع قیامت کا علم ہی خود ایک ایسا غیب ہے جس پہ
اعلامِ الٰہی کے بغیر مطلع ہونا ممکن نہیں لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ علم دیا گیا اور
حضور علیہ التحیات والتسلیمات نے اپنی زبان وحی ترجمان سے اس کا اجمالی خاکہ اس طرح کھینچا

جس کو سمجھنے سے ہر مومن کے ذہن میں قیامت کا دھندلا سا نقشہ آجاتا ہے، مثلاً وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰی رَبِّهِمْ یَنْسِلُوْنَ سے لے کر وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (سورہ یٰسین) اس رکوع میں نفخ صور، احیائے موتی حشر و نشر جنتیوں اور دوزخیوں کے حالات بیان ہوئے ہیں کیا یہ علم الساعۃ نہیں۔

لا اقسم بیوم القیامۃ سے ولو القیٰ معاذیرہ تک جو آیات بیان ہوئی ان میں قیامت کی حقیقت کا ذکر ہے اور بعض واقعات کی اجمالی صورت بیان ہوئی ہے بعینہٖ اسی طرح قرآن پاک میں متعدد جگہوں پہ مختلف واقعات مذکور ہوئے ہیں جن کو اگر ترتیب دیا جائے تو قیامت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔

سورہ زلزال، قارعہ اور بعض سورتوں میں کئی آیات اس امر پہ شہادت دے رہی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم الساعۃ بعطائے الٰہی حاصل تھا جس کی مدد سے آپ نے بعض وہ سوال وجواب جو خالق و مخلوق کے درمیان ہونگے بھی ظاہر فرما دیئے، قرآن مجید جلال الٰہی کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتا ہے کہ خدائے تعالیٰ مخلوق سے مخاطب ہوکر پوچھے گا کہ لمن الملک الیوم اور کسی سے کچھ جواب نہ پاکر خود کہے گا۔ للّٰہ الواحد القھار نیز مجرموں سے کہے گا ھٰذہٖ جہنم التی کنتم بہ تکذبون، اصلوھا الیوم بما کنتم تکفرون نیز کافر اپنی گت بنتی دیکھ کر کہے گا۔ یٰلیتنی کنت ترابا، اور خدا کے نیک بندوں کو حکم ہوگا، فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی، وغیرہ وغیرہ۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فداہ امی وابی، باوجود جاننے کے بعض امور کے کتمان پہ مامور تھے، اور بعض کے اظہار پہ مامور تھے۔ بعض اسرار الٰہیہ خواص کو بتائے گئے اور عوام سے چھپائے گئے اور بعض اسرار سربمہر رکھ دیئے گئے کہ جو ان کے اہل ہوں، وہ معلوم کرلیں، اور نا اہل کی چشم سے پوشیدہ رہیں، مثال کے طور پہ قرآن مجید میں حروف مقطعات کو ہی لے لو۔ ان کے مطالب سے راسخون فی العلم آگاہ ہیں، اور دوسرے ان رموز سے واقف نہیں ۔ بلغ ما انزل الیک کا حکم احکام شریعت اور دین کے متعلق ہے، ان کی تبلیغ میں آپ نے ذرہ بھر کوتاہی نہیں کی لیکن اسرار الٰہیہ صرف انہی لوگوں کو بتائے گئے جو [illegible] کے اہل تھے اور وہ

بھی ان کے کتمان پہ مامور تھے۔ مشکوٰۃ شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دو قسم کے علوم حاصل ہوئے۔ ایک وہ جن کی تبلیغ کر دی اور دوسرے وہ کہ میں بتاؤں تو تم میرا گلا ہی کاٹ ڈالو۔

شرح مقاصد جلد ثانی صفحہ ۲۵۰ پہ مرقوم ہے' ان الغیب ھھنا لیس علی العموم بل مطلق و معین ھو وقت وقوع القیامۃ بقرینۃ السیاق ولا یبعد ان یطلع علیہ بعد الرسول من الملئکۃ والبشر' اس سے ظاہر ہے کہ علم قیامت کی اطلاع کی محال نہیں نہایت میں اس کی تعلیم ہی کا انکار ہے بلکہ علم ذاتی کا انکار ہے۔ مشکوٰۃ شریف کتاب الایمان پہلی حدیث میں ہے کہ جب جبرائیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قیام قیامت کا وقت دریافت کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سراپا رحمت نے ما المسئول عنہا باعلم من السائل فرمایا' اور یہی آیت جو جانب مخالف نے نقل کی ہے" تلاوت فرمائی۔ شیخ عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی نے "اشعۃ اللمعات" میں تحریر فرمایا ہے" مراد آں است کہ بے تعلیم الٰہی بحساب آنہا را نداند آنہا از امور غیب اند' کہ جز خدا کسے آں را نداند' مگر آنکہ وے تعالیٰ از نزد خود کسے را بوحی و الہام بداند۔

علامہ ابراہیم باجوری رحمۃ اللہ علیہ شرح قصیدہ میں فرماتے ہیں' لم یخرج صلی اللہ علیہ وسلم من الدنیا الا بعد ان اعلمہ اللہ تعالیٰ بھذہ الامور الخمسۃ اور کتاب الابریز میں ہے' قلت للشیخ رضی اللہ عنہ فان علماء الظاھر من المحدثین وغیرھم اختلفوا فی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھل کان یعلم الخمس المذکورات فی قولہ تعالیٰ ان اللہ عندہ علم الساعۃ ـــ الآیۃ' فقال کیف یخفی امر الخمس علیہ صلی اللہ علیہ وسلم والواحد من اھل التصرف من امتہ الشریفۃ لا یمکن التصرف الا بمعرفۃ ھذہ الخمس' یعنی میں نے اپنے شیخ (عبدالعزیز باغ رحمۃ اللہ علیہ) سے عرض کیا کہ علمائے ظاہر یعنی محدثین وغیرہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پانچ چیزوں کا علم تھا جن کے بارے میں آیت ان اللہ عندہ علم الساعۃ وارد ہوئی' تو شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا" کہ ان پانچوں کا علم حضورؐ پہ کیسے مخفی رہ سکتا

ہے، جبکہ ایک صاحب تصرف امتی کے لئے ان پانچ چیزوں کے علم کے بغیر تصرف ممکن نہیں حق یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عالم سے تشریف لے جانے سے پہلے پہلے ان پانچوں چیزوں کا علم عطا ہو گیا تھا۔

**علم نزول باراں** مشکوٰۃ شریف میں ترمذی کی ایک طویل حدیث نواس بن سمعان سے منقول ہے جس میں یہ الفاظ مروی ہیں ثم یرسل اللہ مطرا لا یکن منہ بیت مدر ولا وبر۔ فتنہ یاجوج و ماجوج کے بعد اللہ تعالیٰ ایک عالمگیر مینہ بھیجے گا جس سے کوئی مکان خالی نہ رہے گا، کتاب مذکور کے ص ۴۷۳ پہ باب لاتقوم الساعۃ الا علےٰ شرار الناس عبداللہ بن عمر کی روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں ثم یرسل اللہ مطرا کانہ الطل فینبت منہ اجساد الناس اس سے معلوم ہے کہ تمام آدمیوں کے مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ مینہ بھیجے گا۔ گویا کہ وہ شبنم ہے، پس اس مینہ کے اثر سے آدمیوں کے جسم اُگیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بدولت یہ علم آپ کے خدام کو بھی حاصل ہے، چنانچہ تفسیر عرائس البیان میں اسی آیت شریفہ کے تحت میں لکھا ہے ولاکن کثیرا ما سمعت من الاولیاء یقول یمطر السماء غدا او لیلاً فیمطر کما قال۔ ترجمہ۔ لیکن میں نے بہت سے اولیاء کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ کل دن کو یا رات مینہ برسے گا، پس جیسا انہوں نے کہا ہوتا ہے، مینہ برستا ہے۔

**علم ما فی الارحام** خدائے تبارک وتعالیٰ کے اعلام سے خدا کے کئی بندوں کو ما فی الارحام بلکہ اس سے بھی پہلے بیٹا یا بیٹی پیدا ہونے کی خبر حاصل ہو گئی جضرت علیٰ یحییٰ، اسماعیل، اسحاق علیہم السلام کی پیدائش سے پہلے ہی ان کے ماں باپ کو پتہ لگ گیا کہ خدا ہمیں بیٹا عنایت کرے گا۔ حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت امام مہدیؑ کی پیدائش کا ذکر آپ کی پیدائش سے سالہا سال پہلے فرما دیا ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امام حسین ابن علی علیہما السلام کی پیدائش کی خبر دے

دی تھی جیسا کہ حدیث تلد فاطمۃ انشاء اللہ غلامًا یکون فی حجرک کے ضمن میں صفحات گذشتہ میں ذکر ہوا ہے۔ تفسیر عرائس البیان ص ۴۸ امیں تحت آیت مذکورہ یعلم ما فی الارحام کے ضمن میں لکھا ہے " وسمعت ایضًا من بعض الاولیاء اللہ انہٗ اخبر بما فی الرحم من ذکر وانثیٰ ورایت بعینی ما اخبرؑ یعنی مَیں نے بعض اولیاء اللہ سے یہ بھی سُنا کہ انہوں نے ما فی الرحم کی خبر دی کہ اس کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی' اور مَیں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ انہوں نے جیسی خبر دی تھی ویسا ہی وقوع میں آیا" بستان المحدثین میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ارقام فرماتے ہیں " نقل می کنند کہ والد شیخ ابن حجر را فرزند نمی زیست کشیدہ خاطر بہ حضور شیخ رسید' شیخ فرمود از پشت تو فرزندے خواہد برآمد کہ بعلم خود دنیا را پُر کند" یعنی شیخ ابن حجر عسقلانی کے والد ماجد کی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی ایک دن افسردہ دلی میں اپنے شیخ کے حضور پہنچے' شیخ نے فرمایا' تیری پشت سے ایسا فرزند ارجمند پیدا ہوگا جس کے علم سے دنیا بھر جائے گی (چنانچہ علامہ ابن حجر پیدا ہوئے)

سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے خارقان میں حضرت ابوالحسن کی پیدائش کی اطلاع ان کے پیدا ہونے سے کئی سال پہلے ہی اپنے مریدوں کو دے دی' اور ان کی صورت وسیرت تاریخ ولادت اور نام وغیرہ کے متعلق پوری خبر دی' یہ واقعہ مثنوی شریف مولینا روم میں اس طرح مرقوم ہے۔ ؎

آں شنیدی داستان بایزیدؒ ... کو ز حالے بوالحسن پیشیں چہ دید
روزے آں سلطانِ تقویٰ میگذشت ... با مریداں جانبِ صحرا و دشت
گفت زیں سُو بُوئے یارے مے رسد ... کاندریں دِہ شہر یارے مے رسد
بعد چندیں سال مے زاید شہے ! ... می زند بر آسمانہا خرگہے
رُویش از گلزارِ حق گلگوں بود ! ... از من او اندر مقام افزوں بود
چیست نامش؟ گفت نامش بوالحسن ... حلیہ اش وا گفت ز ابرو تا ذقن
قد او ورنگِ او و شکل او ! ... یک بیک وا گفت از گیسو ورد
حلیہ ہائے رُوح او و ایم نمود ... از صفات وا ز طریق و جائے بود

یعنی حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ العزیز ایک دن جنگل کی طرف اپنے مریدوں کے ہمراہ تشریف لے جا رہے تھے کہ خارقان کے نزدیک پہنچے اور اپنے مریدوں سے فرمانے لگے کہ مجھے اس جگہ سے ایک بلند مرتبہ عاشق الٰہی کی خوشبو آتی ہے جو چند سال کے بعد پیدا ہوں گے اور (بلندی منزلت کا) خیمہ آسمان پر گاڑیں گے، ان کا چہرہ گلزارِ حق سے سُرخ ہوگا، اور فقر میں ان کا درجہ مجھ سے بلند ہوگا۔ مریدوں نے ان کا نام پوچھا، تو آپؒ نے فرمایا کہ بوالحسنؒ۔ پھر ان کا رنگ ڈھنگ، شکل و شباہت اور حلیہ بیان فرمایا، یہ بھی بیان فرما دیا کہ اُن کے اوصاف کیا ہونگے، طریقہ کیا ہوگا اور ٹھکانہ کہاں ہوگا ـــــــ پھر ہُوبہُو اسی طرح واقعہ ہُوا، جس طرح آپ نے ارشاد فرمایا۔

قطبِ عالم حضرت مولانا غلام محی الدین رحمۃ اللہ علیہ قصوری نے اپنی کتاب تحفۂ رسولیہ میں اپنے صاحبزادہ عبدالرسولؒ کی پیدائش کی خبر پیدا ہونے سے دو سال پہلے ہی دے دی پھر ان کا نام رکھا اور وصیت تحریر فرمائی۔ ملاحظہ ہوں یہ دو شعر۔ (اصل کتاب تحفۂ رسولیہ مکتبہ نبویہ لاہور میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔)

ایکہ ہنوزی تو بکتم عــدم    زود بہ گلزار جہاں نہ قدم
بہ کہ نہم نام تو عبـــدُالرسول    باد بدرگاہِ رسالت قبول!

قبلۂ عالم قصوری دائم الحضوری نے صاحبزادہ صاحب سے خطاب کرتے ہوئے یہ بھی فرما دیا کہ شکر کر کہ خدائے تعالیٰ نے تجھے مسجد دی ہے، بازار یا دائرہ نہیں دیا، عالم بنایا ہے جاہل نہیں بنایا، تندرست پیدا کیا ہے، اپاہج نہیں کیا۔ اس کے بعد مفصل وصیت فرمائی کہ یوں کرنا اور یوں نہ کرنا۔

کل کی خبر (آئندہ کی خبر) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِكُمْ یعنی جو کچھ تم کھاتے ہو اور اپنے گھروں میں بچا کر رکھتے ہو میں اس کی خبر دیتا ہوں، وہ لوگ کل کے لئے کھانا بچا رکھتے تھے، اس کے لئے آپؑ نے فرمایا ـــــــ وَ اُنَبِّئُكُمْ ـــــــ الخ۔

نیز حضرت یوسف علیہ السلام نے قیدیوں کو فرمایا تھا کہ جو کھانا تمہیں دیا جائے گا، اس

کے آنے سے پہلے ہی میں تمہیں اس کی خبر دے دوں گا۔ کما فی قولہ تعالیٰ قَالَ لَا یَاْتِیْکُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖۤ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِیْلِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّاْتِیَكُمَاؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ۔

نیز حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی پر سوار ہوتے ہی موسیٰ علیہ السلام سے کہدیا تھا کہ میرے ساتھ صبر نہ کر سکیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا' اور خضر علیہ السلام کو کہنا پڑا' اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو فرما دیا تھا کہ تین دن کے بعد تم پر عذاب نازل ہوگا جو اپنے موقع پر آپ کے فرمان کے مطابق آیا' اسی طرح لوط علیہ السلام کو ملائکہ کی وساطت سے معلوم ہو گیا تھا کہ صبح اس قوم پر عذاب نازل ہوگا' دیکھو آیت قرآنی قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ سے لے کر وَ اَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ (سورہ ہود)۔

حضرت نوح علیہ السلام نے کئی پشتوں تک پہلے ہی مَا فِی الْاَرْحَام کی خبر فرما دی' قال لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا ۔ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ ... وَ لَا یَلِدُوْۤا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا یعنی آپ نے کفار کی پشتوں اور رحموں میں نظر فرما کر کہدیا کہ ان لوگوں کی اولاد بھی کافر اور فاجر ہو گی۔

ان آیات سے ... ہو گا کہ واقعات آئندہ کی خبر کا بہ تعلیم الٰہی حاصل ہونا درست ہے لیکن اگر منکرین لفظ غدًا پر اصرار کریں تو ان کی تسلی کے لئے ہم ان کی توجہ حدیث لَاُعْطِیَنَّ هٰذِهِ الرَّایَةَ غَدًا رَجُلًا یَفْتَحُ اللّٰهُ عَلٰی یَدَیْهِ یُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَ یُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ کی طرف مبذول کراتے ہیں جس کا مفصل بیان گذشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔ نیز واقعہ لوط علیہ السلام میں آیت کے لفظ اَلَیْسَ الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍ پر غور کا مشورہ دیتے ہیں۔

یہاں ہم منکرین کے ایک شبہ کا جواب دینا ضروری سمجھتے ہیں' وہ یہ کہ ایک دفعہ کچھ لڑکیاں آپ کے سامنے اپنے آباء مقتولین یوم بغاث کا مرثیہ گا رہی تھیں اور اس میں انہوں نے یہ مصرعہ بھی گایا۔

وَفِیْنَا نَبِیٌّ یَعْلَمُ مَا فِیْ غَدٍ یعنی ہم میں ایک نبی ہے جو کل کی آئندہ بات جانتا ہے

یہ مصرع سُن کر حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس قول کو چھوڑ دو، اور جو کچھ کہہ رہی ہو کہے جاؤ۔ منکرین یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس میں حضورؐ کے علمِ غیب کی نفی ہے اس کا جواب ہم مرقاۃ المفاتیح سے نقل کرتے ہیں وانما منع القائلۃ بقولھا وفینا نبیٌّ الخ لکراھۃ نسبۃ علم الغیب الیہ لانہ لایعلم الغیب الا اللہ وانما یعلم الرسول من الغیب ما اعلمہ او لکراھۃ ان یذکر فی اثناء ضرب الدف واثناء مرثیۃ المقتلی لعلو منصبۃ عن ذالک یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لڑکیوں کو اس واسطے منع کیا، کہ انہوں نے غیب کی نسبت مطلقاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کر دی تھی درآنحالیکہ آپؐ یہ چیز بذاتہٖ نہیں بلکہ بہ تعلیمِ الٰہی جانتے ہیں یا اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دف کے ساتھ اپنے ذکر کو نامناسب سمجھا، یا مقتولین کے مرثیے میں اپنے ذکر کو پسند نہ فرمایا کیونکہ یہ امر ان کے علوِّ مرتبت کے خلاف تھا اور حقیقت بھی یہ ہے۔ ان حالات میں جن میں آپ کی ثنا کی گئی تھی۔ یہ بات روا نہ تھی کیونکہ اس میں سوءِ ادب کا پہلو غالب ہے۔ اس لئے آپ نے منع فرما دیا لیکن آپ نے شاعر اور شعر کے متعلق کچھ نہیں فرمایا۔ اشعۃ اللمعات میں اس کے متعلق یُوں مرقوم ہے "گفتہ اند کہ منع آنحضرت ازیں قول بجہت آں است کہ دروے اسنادِ علمِ غیب است بہ آنحضرت پس آنحضرت را ناخوش آمد و بعضے گویند کہ بجہت آنست کہ ذکرِ شریف وے در اثنائے لہو مناسب نہ باشد" یعنی شارحین نے کہا کہ آپ کا منع فرمانا اس لئے ہے کہ علمِ غیب کی نسبت آپ کی ذات کی طرف تھی جو آپ کو پسند نہ آئی اور بعض کہتے ہیں کہ آپ کا ذکر لہو ولعب میں مناسب نہیں کیونکہ لڑکیاں ایک نکاح کے سلسلے میں دف کے ساتھ گا بجا رہی تھیں، اور اثنا میں مصرع زیرِ بحث بھی گایا گیا۔ ہم اپنی اس تحقیق کے ثبوت میں حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے دو بیت پیش کرتے ہیں جو انہوں نے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پڑھے اور آپ نے سُن کر منع نہ فرمایا۔

نبیٌّ یریٰ ما لا یریٰ الناس حولہ ویتلو کتاب اللہ فی کلِّ مشھدٖ

فان قال فی یوم مقالۃ غائبٍ فتصدیقھا فی ضحوۃ الیوم او غدٖ

اس طرح منکرین نے ایک حدیث اور نقل کی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کو دیوار کے

پیچھے کا بھی علم نہیں، اس کے آگے جو شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے "این سخن اصلے ندارد و روایت بداں صحیح نشدہ است" اس عبارت کو صاف ہضم کر گئے، کہ آپ کا علم غیب ثابت ہی نہ ہو، ایسا ہی ان کے اور ہم خیالوں نے بھی کیا ہے، یہ خیانت اور تحریف ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دیدہ دانستہ تنقیص ہے۔

## موت کے وقت اور مقام کا علم

کب مریگا اور کہاں مریگا، جنگ بدر میں آپ نے اپنے صحابہ کو کفار مکہ کے مقتل بتا دیئے اور یہ پیشین گوئی اس وقت فرمائی جبکہ آپ کے لشکر کے پاس بے سروسامانی کے علاوہ کوئی ظاہری سامان جنگ نہ تھا، لیکن فریق مقابل بڑے سازوسامان سے مقابلے پر تھا، ایسی حالت میں یہ پیشین گوئی عجیب ہی قسم کی تھی مگر ایسا ہی ہوا، جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا، اور جس کے متعلق جہاں قتل ہونا آپ نے فرمایا تھا وہیں اس کی لاش پائی گئی۔

حجۃ الوداع کے موقعہ پر آپ نے فرمایا، کہ شاید آئندہ سال تم مجھے نہ پا سکو گے" مشکوٰۃ شریف میں ہے، عن معاذ ابن جبل قال لما بعثہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الیمن خرج معہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوصیہ و معاذ راکب و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یمشی تحت راحلتہ فلما فرغ قال یا معاذ انک عسٰی ان لا تلقانی بعد عامی ھٰذا ولعلک ان تمر بمسجدی ھٰذا وقبری فبکی معاذ جشعا لفراق الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی حضرت معاذ کو یمن کی طرف بھیجتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو وصیت فرماتے ہوئے تشریف لائے اور فرمایا کہ اے معاذ شاید کہ اس سال کے بعد ہماری تمہاری ملاقات نہ ہو اور شاید تمہارا گزر میری اس مسجد اور قبر پہ ہو، حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ کلمہ جاں گداز سُن کر فراقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خیال سے رو پڑے، ملخصاً

مرض الموت سے کچھ دن پہلے آپ نے فرمایا، کہ خدا نے اپنے بندہ کو دنیا و آخرت کی زندگی کا اختیار دیا تو اس نے آخرت کی زندگی پسند کی۔

ان احادیث سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے اپنی وفات اور مقامِ دفن کی خبر

پہلے ہی دے دی تھی۔

حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی جامعہ صغیر میں ایک حدیث نقل فرماتے ہیں، وہو ہذا۔

"یقتل ابن مریم الدجال بباب لدّ۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو باب لد پہ قتل کریں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مرض الموت میں حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے کان میں فرمایا کہ میں اسی بیماری میں دنیا سے رحلت کرونگا، اور میری اہل بیت میں سب سے پہلے تمہی مجھ سے آکر ملو گی، اور یہ امر واقعہ ہے کہ آپ نے اسی مرض میں وفات پائی، اور آپ کی وفات کے تقریباً چھ ماہ بعد حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بھی انتقال ہو گیا، آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو فرمایا کہ تم سب میں سے پہلے وہ آکر مجھ سے ملاقات کرے گی جس کے ہاتھ لمبے ہوں گے بعد سب سے پہلے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وفات پائی تو سب کو معلوم ہوا کہ ہاتھ کی لمبائی سے مراد کشادہ دستی اور فیاضی تھی، اور اس صفت سے حضرت زینب نسبتاً سب سے زیادہ متصف تھیں، اب ان متعدد امثلہ مذکورہ سے ثابت ہو گیا کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ان خاص پانچ باتوں کا علم بھی بعطائے الٰہی حاصل تھا جو خاص اس سے مخصوص ہیں، اب ان حقائق کی موجودگی میں کیونکر انکار کیا جا سکتا ہے کہ خاص ان پانچ قسم کے غیوب کا علم خدائے تعالےٰ نے کسی کو نہیں دیا ایسا تسلیم کرنے سے آیت ان اللہ عندہٗ علم الساعۃ اور ان متعدد احادیث میں تضاد نظر آتا ہے، اور حقیقت یہ ہے تضاد ہے نہیں، پھر ان میں مطابقت کا یہی طریقہ ہے کہ آپ سے ذاتی علم کی نفی کی جائے اور عطائی علم غیب آپ کے لئے تسلیم کیا جائے کیونکہ ایسا نہ کرنے سے کفر لازم آئے گا اور تسلیم کرنا کچھ غلط بھی نہیں نیز سب کو معلوم ہے کہ حضور کے زمانہ بعثت کی ابتدائی حالت سے انتہائی حالت ہر لحاظ سے بہتر تھی، اور قرآن مجید میں ہے وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی یعنی آپ کی آخری حالت پہلی حالت سے (یقیناً) بہتر

۔ ۲ نیز آخر میں اس پہ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي کا فتویٰ بھی لگ گیا، ہمارے خیال میں نعمت سے ہر وہ چیز مراد ہے جس پہ نعمت کا اطلاق ہو سکتا ہے، اور یقیناً علم بھی ایک ایسی ہی چیز ہے جس کو نعمت کہا جائے، اسی لئے آپ نے خدا سے رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا کہہ کر زیادتی علم کی دُعا مانگی، تو کیا آپ خیال کر سکتے ہیں کہ آپ کی یہ دُعا قبول نہیں اور خدا نے اس نعمت کو اب تمام نہیں کیا؟ ہم تو ہرگز ایسا خیال نہیں کر سکتے، ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ یقیناً آپؐ کی دُعا مستجاب ہوئی، اور خدا نے اس نعمت کو بھی آپ پہ تمام کیا، اور یہ ایسی حالت میں ممکن ہے، جبکہ آپ کے لئے علم ما کان وما ھو کائن تسلیم کر لیا جائے، کیونکہ آپ کیلئے ایسی نعمت کا ثبوت محالات میں سے نہیں، جب ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم تمام مخلوقات سے زیادہ ہے تو اس سے صرف نوعِ بشر مراد نہیں لیتے بلکہ مخلوقات سے ہماری مراد خاکی، آبی، نوری، ناری اور وہ تمام مخلوقات ہے جو عالمِ وجود میں موجود ہے، اگرچہ وہ ہمارے علم میں موجود نہ ہو یہی وجہ تھی کہ آپ جماد مثلاً سنگریزے، نباتات مثلاً ستونِ حنانہ ملائکہ اور اجنہ کی باتیں سمجھتے تھے، اور یہ تو مسلّم ہے کہ مخلوقات کا مجموعی علم ہمارے احاطہ فہم سے باہر ہے، لیکن اس مقتدر اور اعلم ہستی کے احاطۂ فہم سے باہر نہیں، جس کے حق میں آیات اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى اور انا اعطیناک الکوثر اُتریں، نیز جس کے خصائص میں جوامع الکلم کا عطا کیا جانا ہے اور یہ بات ہے جو آپ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوئی۔ ایک دفعہ آپ نے اپنا بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا اور

یَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ واللّٰہ لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلاً ولبکیتم کثیراً، پھر علوم الٰہیہ میں سے یہ سب کچھ آپؐ کو عطا ہوا، کیا تھا؟ خدا کے علم کا بعض اور قلیل حصہ چونکہ ہم خدائی علوم کا اندازہ بالکل نہیں کر سکتے ہیں، اس لئے اس کے علم کا بعض کا اندازہ بھی محال ہے، محیطِ بیکراں کا بعض اور ہے اور پانی کے ایک گھڑے کا بعض اور ہے، جو چیز ہمارے قیاس و وہم سے برتر ہے اُسے اپنے قیاس سے ناپنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے، حاشا وکلاّ۔ ہمارے عجز وفہم کا اعتراف تو یہ ہے۔ ؎

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

## علم شعر

وما علمناه الشعر وما ینبغی لہٗ ان ھو الا ذکر وقرآن مبین اور ہم نے ان کو شعر کہنا نہ سکھایا اور نہ وہ ان کی شان کے لائق ہے وہ تو نہیں مگر نصیحت اور روشن قرآن۔

یہاں علم شعر سے مراد یہ نہیں ہے کہ آپ اچھے اور بُرے شعر میں امتیاز نہ کر سکتے تھے بلکہ یہاں مراد یہ ہے کہ آپ شعر نہ کہتے تھے، نہ آپ شاعر تھے، کیونکہ شعر گوئی ایسی چیز ہے جس میں دروغ کا عنصر لازمی طور پر ہوتا ہے اور آدمی مبالغہ اور غلو سے بچ نہیں سکتا مولانا نظامی گنجوی فرماتے ہیں

در شعر مپیچ و در فن اُو چوں اکذب اوست احسن اُو

اور یہ امر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے شایانِ شان نہیں، قرآن پاک روشن حقائق کا مرقع ہے۔ شعر گوئی کو ان سے کیا نسبت۔

آپ کے کلام مبارک میں عروض کی پابندی نہ تھی لیکن شعریت اس پر نثار تھی۔ آپ افصح العرب تھے۔ فصاحت و بلاغت اور حسن تاثیر سے آپؐ کا کلام آراستہ ہوتا تھا الشعراء ھم الغاوون کے ماتحت آپؐ کو شعر گوئی کا ملکہ بدو فطرت سے عطا نہیں ہوا تھا مگر شعر فہمی کی آپ میں مکمل استعداد تھی، عرب کو جس اخلاق سوز شاعری پر ناز تھا وہ فطرتِ انسانی کے لئے زہرِ قاتل تھی۔ اس سے اجتناب ضروری تھا، جس طرح بُرائی کا علم اس سے احتراز کرنے کے لئے ہونا ضروری ہے اسی طرح شاعری (جو اس زمانے میں فحاشی کے مترادف تھی) سے احتراز فرمانے کے لئے آپ کو علم عطا کیا گیا۔

شاعری نثر کے مقابلے میں غیر فطری کلام ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے یہ چیز کسی پیغمبر کو عطا نہیں کی، نہ کوئی صحیفہ ایسا اتارا ہے جس کے مضامین اشعار میں ہوں، پس غیر شاعر خدا کے پیغمبر شاعر کیونکر ہو سکتے تھے۔

علاوہ ازیں علم الشعر کا تعلق امور غیبیہ سے نہیں، اس کی تعلیم زید و بکر سے بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس آیت اور اس مسئلہ کو نفی علم غیب کے ثبوت میں پیش کرنا وہابیہ کی جہالت اور ضلالت پر دال ہے۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَا اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّكَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ یعنی جس دن اللہ تعالیٰ مرسلین علیہم السلام کو جمع کریگا اور انہیں کہے گا کہ تمہیں کیا جواب ملا، وہ کہیں گے کہ ہمیں علم نہیں، تحقیق تو ہی سب غیبوں کا جاننے والا ہے مفسرین نے اس بارے میں لکھا ہے کہ پیغمبروں کا لا علم لنا کہنا بمقابلہ ذات الہی کے ہے۔ وہ اپنی ذات کے علم کی نفی کر رہے ہیں کیونکہ ان کا علم علم الٰہی کے ساتھ ساقط ہے تفسیر کبیر میں ہے کہ یہ قول ادب کی بنا پر ہے کیونکہ جب انبیاء نے معلوم کر لیا کہ اللہ تعالیٰ علیم ہے اور حلیم ہے، بے علم اور سفیہ نہیں، وہ عادل ہے، ظالم نہیں۔ تو انہیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ان کی بات حصول خیر یا رفع شر کے لئے چنداں مفید نہ ہوگی، پس وہ سمجھ گئے کہ ادب خاموشی، اعتراف عدم علم، اور معاملہ کو خدا اور اس کے عدل کے سپرد کر دینے میں ہے، اس لئے انہوں نے لا علم لنا کہہ دیا۔

روح البیان میں ہے کہ یہ جواب قیامت کے دن بعض مواقع پہ ہوگا، بعد ازاں وہ تبلیغ رسالت میں اپنی امتوں پہ گواہی دیں گے۔ ملاحظہ ہو روح البیان کی اصل عبارت۔

ان هذا الجواب يكون فى بعض المواطن القيامة وترجع عقولهم اليهم فيشهدون على قومهم انهم بلغوا الرسالة وان قومهم كيف ردوا عليهم -

## رُوح سے بے خبری

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا لوگ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ کہدیں کہ روح امر رب میں سے ہے اور آپ کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔

معلوم نہیں کہ منکرین یہ آیت نفی علم غیب کے ثبوت میں کیوں پیش کرتے ہیں اور اس میں انہیں نفی علم کی کونسی دلیل نظر آتی ہے۔ اس میں تو صرف روح کے متعلق سوال کرنیوالوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ تمہیں بہت تھوڑا علم عطا کیا گیا ہے، نیز ان کے حالات کی مناسبت کے پیش نظر ارشاد ہوا کہ انہیں کہدو کہ روح امر ربی میں سے ہے۔ بھلا اس میں یہ کیونکر ثابت ہو گیا کہ حضور سرور عالم علیہ التحیات والتسلیمات کو بھی روح کا علم عطا نہیں کیا گیا تھا۔

بلکہ اس سے تو یہ مستنبط ہوتا ہے کہ آپ کو رُوح کا علم دیا گیا تھا جس کا اظہار آپ من امرِ ربی فرما کر کر رہے ہیں یعنی یہ الفاظ رُوح کے متعلق جملہ علوم کا خلاصہ ہیں، رُوح کے متعلق سوال کرنیوالے لوگ اس کی تشریح کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔ اس لئے انہیں مختصر جواب دینا ہی حکمت پر مبنی تھا نیز سائلین کی معلومات کے مطابق روح کی خبر نہ دینا ہی علامتِ نبوّت تھی۔

شیخ اکبر حضرت محی الدین ابنِ عربی نے لکھا ہے کہ عالم کئی ہیں۔ یعنی عالم عناصر، عالمِ ارواح، عالمِ امر، عالم امکان وغیرہ، پس رُوح عالم امر کی ایک چیز ہے جس کی حقیقت کا جاننا عالم عناصر والوں کے لیئے محال ہے تو یہ بات بتا دینا کہ روح عالمِ امر میں سے ہے، کیا روح کے متعلق علم پر دال ہے یا عدمِ علم پر۔

فرض کرو کہ کوئی آدمی کسی اجنبی کے متعلق ہم سے (جسے ہم بخوبی جانتے ہیں) پوچھتا ہے، یہ صاحب کون ہیں؟ تو ہم جواب دیتے ہیں کہ یہ صاحب فلاں جگہ کے رہنے والے ہیں اور ہمارے دوستوں میں سے ہیں، اس سے ہی ہمارا مخاطب مطمئن ہو جاتا ہے۔ اب ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ خواہ مخواہ اس اجنبی کی مکمل ہسٹری بیان کریں اور گروہ مرسلین کا تو سوال ہی یہ ہے کہ مخاطب لوگوں کی عقول کے مطابق گفتگو کریں جس سے انہیں اطمینان حاصل ہو، نہ کہ ایسی گفتگو کریں جس کو سمجھنے میں ان کے افہام ہی قاصر ہوں۔ حضرت شیخ عبدالحق صاحب دہلوی "مدارج النبوت" میں رقم طراز ہیں۔

"چہ گونہ جرأت کند مومن عارف کہ نفی علم بحقیقتِ روح از سید المرسلین و امام العارفین کند و داده است او را حق سبحانہ علمِ ذات و صفات خود و فتح کرده برائے او فتح مبین از علوم اولین و آخرین روح انسانی چہ باشد کہ در جنب جامعیتِ وے قطرہ ایست از دریا، و ذره ایست از صحرا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں تحریر فرمایا ہے وَلَا تَظُنَّنَّ اِنَّ ذَالِکَ لَمْ یکن مکشوفًا لرسول اللہ علیہ السلام فَاِنَّ مَنْ لَمْ یعرف نفسہ فَکَیْفَ یعرف اللہ سبحانہٗ ولا یَبْعُدُ ان یکون ذالک مکشوفًا لبعض الاولیاء والعلماء۔

**علم الساعت** يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ، لوگ تم سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ آپ کہ دیں کہ اس کا علم تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

تفسیر صاوی میں ہے کہ اس سوال کا وقت تک آپ کو جملہ مغیبات اور علوم الساعت کے متعلق پوری طرح مطلع نہیں فرمایا تھا۔ لیکن جب آپ اس دنیا سے تشریف فرما ہوئے تو آپ ان سے مطلع ہو چکے تھے۔ اس آیت سے یہ تو بالکل ثابت نہیں ہوتا کہ قیامت کا علم آپ کو علم نہ تھا، صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ علم ساعت کو خدا کی طرف منسوب کرنے کی ہدایت ہوئی ہے یعنی اللہ کو یہ منظور ہے کہ آپ اپنے مخاطبین کے سامنے علوم ساعت کا اظہار فرائض نبوت میں سے نہیں۔

ومنهم من قصصنا عليك ومنهم من لم نقصص عليك، یعنی ہم آپ پر بعض پیغمبروں کے قصے بیان کئے اور ان میں سے بعض کے نہیں کئے، قرآن مجید میں ہے کلاً نقص عليك من انباء الرسل ما نثبت به فؤادك یعنی ہم تمہیں سب کچھ رسولوں کی خبریں سناتے ہیں، جس سے آپ کا دل ٹھیرائیں، حضرت ملا علی قاری مرقات میں فرماتے ہیں کہ منهم من قصصنا عليك ومن لم نقصص عليك میں نفی علم تفصیلی کی ہے، اور اثبات علم اجمالی کا ہے یا نفی وحی ظاہر کی ہے اور ثبوت وحی خفی کا ہے اسی وجہ سے ہے کہ آپ سے پیغمبروں کی تعداد اور ان میں سے مرسلین کی تعداد بیان فرمادی، جملہ انبیاء آپ سے ہی تھے، اور بیت المقدس میں شب معراج آپ کے مقتدی بنے اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ آپ کو یہ علم حاصل نہ ہوا ہو۔ مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی اپنی کتاب "تحذیر الناس" میں لکھتے ہیں کہ عالم حقیقی رسول اللہ ہیں اور انبیاء باقی اور اولیاء اللہ بالعرض ہیں کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کی ذات جوہر ہے جو دوسرے انبیاء اور اولیاء کے علوم کا سرچشمہ ہے، پھر کیونکر ممکن ہے کہ آپ کو دوسرے انبیا کا علم نہ دیا گیا ہو، اگر تمام انبیاء کا حال قرآن مجید میں صراحتہ بیان نہیں کیا گیا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وحی خفی سے بھی آپ پر روشن نہ ہوا ہو۔

## منکرین علم غیب کے شبہات

اب ہم ذیل میں منکرین کے چند شبہات پیش کرتے ہیں جن کی بنا پر وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم غیب کی نفی پر استدلال کرتے ہیں اور اہل فکر کے لیے اپنی جہالت کا ثبوت لاتے ہیں۔

(۱) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بعض علم غیب حاصل ہے، ایسا بعض تو ہمیں بھی حاصل ہے

**جواب:** حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم سے اپنے علم کا موازنہ کرنا فقدانِ دین و دانش کا ثبوت ہے۔

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بعض بمقابلہ علمِ الٰہی ہے جو ہمارے لیے لامتناہی ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم اگرچہ متناہی ہے مگر ہمارے علوم کے پیش نظر غیر محدود ہے کیونکہ وہ جملہ مخلوقات کے مجموعی علم سے زائد ہے ہم اپنے حواس ظاہری اور باطنی سے اس کا مطلقاً احاطہ نہیں کر سکتے۔ جو آدمی حضور کے حق میں ایسے گستاخانہ کلمات اور شبہات پیش کرتے ہیں، وہ درحقیقت اپنی بے حیائی کا دم بھرتے ہیں۔

(۲) جن چیزوں کا آپ کو علم ہوگیا وہ غیب نہ رہیں لہٰذا آپ کے لیے علمِ غیب بعطائے الٰہی ماننا بھی جائز نہیں۔

**جواب:** ایسا عقیدہ رکھنے سے تو حق تبارک وتعالیٰ بھی غیب دان نہ رہے گا کیونکہ اس کے احاطۂ علم سے کوئی شے باہر نہیں، کما قولہ تعالیٰ، لا یخفیٰ علیہ شیئٌ فی الارض ولا فی السماء وقولہ تعالیٰ وھو بکل شیئٍ علیم ایسی صورت میں خدا تعالیٰ کو عالمِ غیب کیونکر کہا جا سکتا ہے حالانکہ وہ خود ارشاد فرماتا ہے، عالم الغیب والشہادۃ صاف ظاہر ہے کہ غیب سے مراد وہ امور مراد ہیں جو مخلوقات پر مخفی ہیں ورنہ خدا کے لیے تو کوئی بات مخفی نہیں اور حضور کے علمِ غیب سے وہ امور عبارت ہیں جو آپ پر ظاہر اور دیگر مخلوقات پر مخفی ہیں اور آپ کو بہ تعلیم الٰہی حاصل ہوئے ہیں جیسے احوال قیامت اور جنت و دوزخ وغیرہ جن پر ہمارا ایمان بالغیب ہے۔

(۳) منافقوں نے حضرت ام المومنین عائشہ الصدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگائی
اگر آپؐ کو علم غیب حاصل ہوتا تو آپ بتا دیتے کہ میری بیوی اس الزام سے بری ہے۔

جواب: اس معاملہ میں کچھ مدت تک آپ کی خموشی نفی علم غیب پر دال نہیں بلکہ صدہا اسرار
حکم پر مبنی تھی جس کے نتیجے میں ان کی برئیت میں اٹھارہ آیات نازل ہوئیں جنہیں نمازی
نمازوں میں پڑھتے اور صدیقہ کی شانِ عفت میں گیت گاتے ہیں، دوسرے الفاظ میں
منافقین اور منکرین کی چھاتی پر ہر روز مونگ دلتے ہیں۔ اگر نزولِ وحی سے پہلے
آپ ان کی صفائی میں کچھ کہتے تو منافقین کو قیامت تک آتشِ حسد و بغض میں جلانے کا
سامان پیدا نہ ہوتا۔ اور آپ کی پریشانی کسی بدظنی کی وجہ سے نہ تھی، بلکہ منافقوں
کی افترا پردازی کی وجہ سے تھی، ورنہ آپ پر روشن تھا کہ آخر کار صدیقہ کی
صفائی اور دشمنوں کی رسوائی ہوگی۔ اس لئے آپؐ نے سکوت فرمایا۔

(۴) امام المنکرین خلیل احمد انبیٹھوی نے براہین قاطعہ میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ
کے حوالے سے ایک حدیث نقل کی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ آپؐ کو دیوار کے پیچھے
کا بھی علم نہ تھا۔

جواب: حضرت شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلویؒ نے اس حدیث کی نقل کے بعد فقرہ لا
اصل لہٗ جس کو جناب ناقل بالکل ہضم کر گئے۔ ایسی خیانت اور بددیانتی ہے خدا
کی پناہ اسی طرح اس گروہ کے حوالہ کی نقل میں بددیانتی سے کام لیتے ہیں تاکہ عوام کو
گمراہ کرنے میں آسانی ہو مثلاً مولوی حسین علی وان بھچرانی نے رسالہ غیب دانی میں آیت
سورہ جن کی نقل میں یوں خیانت کی، کہ لا یظھر علیٰ غیبہ سے نفی غیب کو ثابت
کر لیا اور اس کے دوسرے جزو کو الا من ارتضیٰ من رسول کو صاف ہضم کر لئے
اسی طرح دیگر منکرین نے بھی نقل عبارت اور ترجمہ میں اپنے وہابی دہرم کے ثبوت
میں سخت بددیانتی سے کام لیا ہے، جو ان کی باطل پرستی کا بیّن ثبوت ہے۔

(۵) حدیث میں ہے واللہ ما ادری و انا رسول اللہ ما یفعل بی ولا بکم یعنی میں
نہیں جانتا حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں، کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ
کیا جائے گا۔

**جواب:** یہ حدیث آیت سورۃ احقاف کی مانند ہے جس کا ذکر گذشتہ صفحات میں گزر چکا، یہاں ہم صرف اس پہ اکتفا کرتے ہیں کہ اس میں علم غیب بالدرایت کی نفی ہے اور درایت عقل اور قیاس سے کسی چیز کے جاننے کو کہتے ہیں جیسا کہ ردالمختار کے ص ۹۷ میں ہے (والراجح الدرایۃ) بالرفع عطفاً عن الاشبہ ای الراجح من جھۃ الدرایۃ ای ادراک العقل بالقیاس علی غیرہ۔ اس طرح قیاس سے علوم غیبی کا انکشاف عقول انسانی کے اختیار میں نہیں، اور اس نفی کے ہم بھی قائل ہیں، یہاں علم غیب بعطائے الٰہی کی نفی نہیں جس پہ ہمارا ایمان ہے، اور حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کی آخری حالت پہلی حالت سے بہتر ہے جیسا کہ نص صریح والاخرۃ خیر لک من الاولی سے ثابت ہے مشکوٰۃ شریف میں ہے، کہ ہم اولاد آدم کے سردار ہیں، اس روز لواء الحمد ہمارے ہاتھ میں ہوگا، آدم و آدمیاں ہمارے جھنڈے کے نیچے ہوں گے، وغیرہ یہ بھی تو آپ اپنی ہی حالت بیان فرما رہے ہیں، پس حدیث مندرجہ عنوان کا تطابق اس حدیث سے کیونکر ہوگا۔

(۶) ایک سفر میں حضرت ام المومنین صدیقۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہار گم ہوگیا، جس کی جگہ جگہ تلاش کی گئی، اگر حضور کو علم غیب ہوتا تو آپ کو تلاش کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔

صاحب الکلمۃ العلیا ص ۱۱۱ میں شبہ مذکورہ کے جواب میں فرماتے ہیں۔

بخاری و مسلم کی حدیث ہے، فبعث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم رجلاً فوجدھا، امام بغوی اس کی شرح میں فرماتے ہیں یحتمل ان یکون فاعلٌ وجدھا النبی صلے اللہ علیہ وسلم اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہار کو پانے والے بھی آپ ہی تھے، پھر جب آپ نے وہ ہار پایا اور نہ بتایا تو اس سے عدم علم کیونکر ثابت ہوگیا۔

(۷) جمیع اشیاء غیر متناہی ہیں پھر حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غیر متناہی کا علم کیونکر ہوسکتا ہے؟

**جواب:** حضرت امام فخر الدین صاحب رازی رحمۃ اللہ علیہ آیہ واحاطہ بما لدیھم و

احصٰی کل شیءٍ عددا کے تحت میں رقمطراز ہیں، قلنا لا شک ان احصاء العدد انّما یکون فی المتناھی فاما لفظۃ کل شیءٍ فانّھا لاتدلّ علٰی کونہ غیر متناھی لان الشیءُ عندنا ھوالموجودات والموجودات متناھیۃ فی العدد۔ اس عبارت سے موجودات کا متناہی ہونا ثابت ہوا، پھر کوئی وجہ نہیں کہ متناہی کا علم حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے وسیع خزانہ علوم میں نہ سما سکے۔

(۸) معراج کے بعد جب جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کفار نے بیت المقدس کا حال دریافت کیا تو آپ متردّد ہوئے جب اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس حضور کے سامنے کیا، جب حضورؐ نے کافروں کو اس کا حال بتایا۔

**جواب:** آپ کسی سوال کے جواب میں تل اور تامّل سے کام لیتے ہیں تو یہ امر آپ کے وقار و حلم پر دال ہے، عدمِ علم پر دال نہیں، یہ بات آپ کی عادت مبارک میں تھی کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کفار کے سوال کے وقت جواب میں وحی الٰہی کا انتظار فرماتے اور جس طرح کا اشارہ پاتے اس کے مطابق گفتگو فرماتے اور خدا تعالیٰ کا آپ کے سامنے بیت المقدس کو پیش کر دینا آپ کی عظمت اور عزت کا ثبوت ہے تاکہ آپؐ وہ باتیں بھی بیان فرما سکیں جن کا آپ کو علم تو ہے مگر اس وقت توجہ میں نہیں، ورنہ بوقت معراج آپ کا بیت المقدس میں جانا اور انبیاء علیہم السّلام کا مقتدا بننا تو مخالف بھی مانتے ہیں۔

معراج شریف کے وقت آپ کا جبرائیل علیہ السّلام سے سوال کرنا کہ یہ کیا ہے، اور وہ کیا ہے، اس امر پہ دال ہے کہ بذاتِ خود نہ جانتے تھے؟

**جواب:** یہ سوال سائل کی جہالت کا آئینہ دار ہے کیونکہ وہ بار بار بیان کرنے کے باوجود بھی ہمارے عقیدہ کو نہیں سمجھ سکا، ہم نے کب کہا کہ آپ بذات خود بلا تعلیم وحی علمِ غیب جانتے تھے، یہاں منکر حصولِ علمِ غیب میں وحی کی ضرورت کا انکار کر رہا ہے، اور یہ انکار وہی ہے جس کو ہم نہیں مانتے ہیں پھر خواہ مخواہ اعتراض تراشی سے کیا فائدہ بجز اس کے کہ کوئی بات حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی تنقیص شان میں مل جائے جو

ہمیں منظور نہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ آپ کو بہت سے علوم شبِ معراج میں حاصل ہوئے اور حصولِ علوم کا سلسلہ یہاں ہی ختم نہیں ہو گیا بلکہ تا اختتام نزولِ قرآن جاری رہا، منکرین کے خیال میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ہم علمِ ماکان و مایکون آپ کے لئے یوم پیدائش ہی سے ثابت کرتے ہیں، حالانکہ ہم اس بارے میں تدریج کے قائل ہیں، اس عقیدہ کے ہوتے منکرین کے کئی متعصبانہ جاہلانہ اور غیر دانش مندانہ سوالات خود بخود ہی باطل ہو جاتے ہیں منکرین یہاں ایسے ادراک کی آنکھوں سے (اگر وہ رکھتے ہوں تو) دیکھ لیں کہ آپ علمِ غیب بذریعہ تعلیم الٰہی بوساطت جبریل علیہ السلام (جس کو ہم وحی کہتے ہیں) حاصل کر رہے ہیں جس کا تکرار صفحاتِ گذشتہ میں کئی دفعہ ہوا۔

بعض باتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو سائل مجیب سے دوسروں کی تعلیم کے لئے پوچھتا ہے جیسے جبرائیل علیہ السلام نے آپ سے ایمان اور احسان کے متعلق سوال کیا، اس سے ہمارا یہ مطلب ہے کہ محض سوال کرنے کی بنا پر کسی پر عدمِ علم کا فتویٰ لگا دینا اوچھاپن ہے جو اہلِ نظر کے لئے جائز نہیں۔

(۱۰) ابوداؤد شریف میں ہے کہ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھائی تو پاپوش مبارک اپنے پاؤں سے اتار دی، یہ دیکھ کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے بھی اپنی پاپوشیں اتار دیں۔ سرورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فراغتِ نماز کے بعد صحابہ کرام سے دریافت فرمایا کہ تم نے ایسا کیوں کیا، انہوں نے جواباً عرض کیا کہ ہم نے حضورؐ کی تقلید میں یوں کیا آپؐ نے فرمایا کہ جبرائیل علیہ السلام نے مجھے خبر دی تھی کہ ان میں نجاست ہے، اگر حضورؐ غیب دان ہوتے، تو کیوں نجاست والی پاپوش سے نماز پڑھتے؟

**جواب:** پاپوش مبارک کا بحکمِ وحی پاؤں سے اتارنا آپؐ کے تنظیف اور تطہیر کی وجہ سے تھا ورنہ جوتیوں میں ایسی نجاست نہ تھی جس کی وجہ سے نماز جائز نہ ہو، نہیں تو آپؐ نعلین مبارک کے اتارنے پر ہی اکتفا نہ فرماتے، بلکہ نماز کا اعادہ بھی کرتے جو آپ نے نہیں فرمایا، جبرائیل علیہ السلام کا آپ کو اس معمولی سی نجاست کی بھی خبر دینا حضورؐ کی عظمت

اور رفعتِ شان کے اظہار کے لئے ہے اس سے عدمِ علم پر استدلال کرنا نافہمی اور سوءِ ادب پہ دال ہے، حضرت شیخ عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ شریف میں فرماتے ہیں۔

"قذر بفتح قاف و ذال معجمہ در اصل آنکہ مکروہ پندارد آں را طبع وظاہر آن بجاستے نبود کہ نماز بآں درست نباشد بلکہ چیزے بود مستقذر کہ طبع آں را ناخوش دارد والا نماز از سر نو میگرفت، کہ بعضے نماز بآں گزاردہ بود، و خبر دادن جبریل علیہ السلام و بہ آوردن پا انہ پاپوشش بجہت کمال تنظیف و تطہیر بود کہ لائق بحال شریف وے بود (الکلمۃ العلیا)۔

بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے حجرے کے دروازے پہ ایک جھگڑا سنا، آپ نے باہر تشریف لا کر فرمایا کہ میں بجز آدمی کے کچھ نہیں، میرے پاس جھگڑنے والے آتے ہیں، شاید تم میں سے کوئی ایک دوسرے کے مقابلے میں زیادہ خوش بیان ہو اور اس کی خوش بیانی سے میں اس کو سچا جانوں، اور اس کے حق میں فیصلہ کر دوں کہ پس جس کو میں مسلمان کا حق دلاؤں، وہ سمجھے کہ میں اسے جہنم کا ایک ٹکڑا دلاتا ہوں، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ غیب دان تو تھے ورنہ خلاف حق فیصلہ کرنے کا احتمال کیوں ظاہر کیا۔

**جواب** ۔ اسلوبِ کلام کو مدِّنظر رکھتے ہوئے اس حدیث سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ آپ کا مقصد تہدید ہے تاکہ لوگ خوشش بیانی اور زورِ استدلال کے مقابلے میں حق کو اختیار کریں، حدیث شریف کے اصل الفاظ یہ ہیں۔ فَاِنْ قَضَیْتُ لِاَحَدٍ مِنْکُمْ بِشَیْئٍ مِنْ اَخِیْہِ فَاِنَّمَا اَقْطَعُ لَہٗ قِطْعَۃً النَّار یعنی اگر میں تم میں سے کسی کو دوسرے کا حق دوں تو وہ اس کے لئے آگ کا ٹکڑا ہے یعنی تم کسی کا حق لینے کی کوشش ہی نہ کرو، یہاں انکارِ علمِ غیب کا سوال نہیں جس کا ثبوت یہ ہے کہ حضورؐ سے عملاً ایسا نہیں ہوا، اگر حضورؐ کی کوئی ایسی مثال مل جاتی جس سے ثابت ہوتا کہ آپ نے کسی کی خوش بیانی کے فریب میں اُسے دوسرے کا حق دے دیا، پھر یہ احتمال درست ہوتا، ایسی خلاف واقعہ بات کو جس کا وقوع

صرف اِمکانی ہے عملی نہیں بطورِ ثبوت عدم علمِ غیب پیش کرنا درست نہیں، آپ نے جو الفاظ فرمائے وہ قضیۂ شرطیہ ہیں جو صدق مقدم کے مقتضی نہیں، ایک ناممکن بات کو لغرض تہدید فرض کر لیا ہے یعنی اگر بالفرض ایسا ہو تو بھی تمہیں کوئی فائدہ نہیں، ایسا ہی شرطیہ قرآن مجید میں بھی وارد ہے، کما قولہٖ تعالیٰ۔

قل ان کان للرحمٰن ولدٌ فانا اوّل العٰبدین یعنی آپ فرما دیں کہ اگر خدا کے ہاں بیٹا ہو، تو مَیں پہلا عبادت کرنے والا ہوں، یہاں یہ بھی تو کہا جا سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دِل میں خدا کے ہاں بیٹا ہونے کا خدشا تھا (معاذ اللہ) مگر یہ شرطیہ ہے اور شرطیات مقدم کے صدق کو مستلزم نہیں ہوتے چنانچہ ان میں فرضِ محال تک بھی ہوتا ہے چنانچہ اس آیت اور حدیث میں ایسا ہی ہے ورنہ حضور سے خلافِ حق فیصلہ کا وقوع ممکن نہیں، ملخصاً الکلمۃ العلیا مشارق ــــــ مشارق کی اصل عبارت یہ ہے، وان قولہٗ علیہ السلام فان قضیت لہٗ بحق مسلم الخ شرطیۃٌ وھی لا... تقتضی فیکون من باب فرض المحال نظرا الی عدم جواز قرارہٖ علی الخطاء ویجوز ذٰلک اذا تعلق بہ غرض کما فی قولہٖ تعالیٰ قل ان کان للرحمٰن ولد فانا اول العابدین والغرض فیما نحن فیہ التہدید والتقریع علی اللسن والاقدام علی تلحین الحجج فی اخذ اموال الناس۔

آپ کو شہد بہت پسند تھا، اور آپ حضرت زینب کے پاس اکثر تشریف فرما کر شہد نوش فرماتے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ نے مشورہ کیا، کہ ہم میں سے جس کے پاس حضرت تشریف لائیں وہ آپ سے کہہ دے کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بُو آتی ہے تو آپ فرمائیں گے کہ مَیں نے تو شہد پیا ہے تو یہ جواب دے کہ شہد کی مکھی مغافیر پہ بیٹھی ہوگی، پس چونکہ آپؐ کو بدبُو سے نفرت ہے اس لئے آپ شہد کا استعمال ترک کر دیں گے، نتیجتاً حضرت زینبؓ کے پاس نشست کم ہو جائے گی چنانچہ ایسا ہی ہُوا اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھائی کہ اب کبھی شہد نہ کھاؤں گا، اس پہ یہ آیت اُتری، یاایھاالنبی لم تحرم ما احل اللہ لک، اگر حضرت غیب دان ہوتے تو کیوں آپ ایک بنائی ہوئی بات پہ شہد چھوڑنے کی قسم کھا لیتے۔

**جواب:** یہاں حرام کر دینے سے آپ کا ترک کر دینا مراد ہے، اعتقاداً ایسا نہیں جس شخص کا یہ اعتقاد ہو کہ آپ نے خدا کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام قرار دیا تو بالاتفاق کافر ہے تفسیر سراج المنیر میں اسی آیت کے ضمن میں ہے بان المراد بھذا التحریم ھو الامتناع من الانتفاع بالازواج لا اعتقاداً (البتہ آپ کے حرام کرنے سے مراد اپنی ذات کو شہد کے استعمال سے روکنا ہے، از روئے اعتقاد حلال کو حرام ٹھہرانا مراد نہیں) والنبی صلی اللہ علیہ وسلم امتنع الانتفاع بھا مع اعتقاد کونہا حلالاً فان من اعتقد ان ھذا التحریم ھو تحریم ما احل اللہ فقد کفر فکیف یضاف الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی آپ نے شہد کو اپنے لئے اس کی حلت کا اعتقاد رکھتے ہوئے منع فرمایا پس جو شخص اعتقاد کرے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام فرمایا تو ایسا اعتقاد کرنے والا کافر ہے پھر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف یہ نسبت کیسے ہو سکتی ہے۔ تبتغی ای تریدا رادۃ عظمۃ من مکارم اخلاقک وحسن صحبتک مرضات ازواجک یعنی آپ اپنے خلق عظیم اور کرم عمیم کی وجہ سے ازواج مطہرات کی خوشنودی اور رضامندی چاہتے ہیں اور آپ کے حسن جمال کا تقاضہ ہے جن کی بنا پر آپ نے شہد سے منتفع ہونا بند فرمایا۔ اس میں نفی علم کہیں ثابت نہیں ہوتی فقط ایک حلال چیز سے اپنے آپ کو روکنا ہے، وہ بھی حسن اخلاق کے باعث ابی منافق نے جس کا نفاق اظہر من الشمس ہو چکا تھا، مرتے وقت اپنے لئے آپ کی قمیص مبارک طلب کی آپ نے باوجود اس علم کے کہ وہ منافق ہے اس کو وہ قمیص مرحمت فرمائی۔ پس رحمۃ للعالمین کی جانب سے یہ امر تعجب انگیز نہیں کہ آپ ازواج مطہرات کی خوشنودی اور رضامندی کے لئے اپنے ذاتی فائدہ کو ترک فرما دیں۔

سراج المنیر میں ہے کہ تبتغی مرضات ازواجک کا خطاب بوجہ عتاب نہیں تھا کیونکہ آپ نے محض کمال نظافت و لطافت کے باعث یہ بھی گوارا نہ فرمایا کہ کسی قسم کی بو آپ سے متعلق کی جا سکے، ورنہ اگر اس بات میں کچھ بھی حقیقت ہوتی تو آپ دوسروں کی بہ نسبت مغافیر کی بو زیادہ محسوس فرما سکتے تھے اور بار بار اپنی سر اہلیہ کو یہ کہنے کی

ضرورت ہی نہ پڑتی کہ مَیں نے شہد کھایا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اپنے والد کے قرضہ کے سلسلہ میں حاضر ہوا اور دروازہ کھٹکھٹایا، آپ نے دریافت فرمایا کہ کون ہے، مَیں نے عرض کی کہ مَیں، حضور سرورِ کائنات نے فرمایا، کہ مَیں تو مَیں بھی ہوں، گویا یہ کلمہ آپ کو ناگوار گزرا، اگر آپ غیب دان ہوتے تو کیوں دریافت کرتے کہ تم کون ہو۔ حضور کو خود ہی معلوم ہو جاتا۔

**جواب۔** اگر کسی حکمت کی بناء پہ باوجود علم کے کوئی چیز دریافت کی جائے تو اس سے نفیِ علم کا ثبوت نہیں ملتا، نہ یہ بات عدمِ علم پر بطورِ حجیت پیش کی جا سکتی ہے۔ خدا تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے، وما تلك بيمينك يموسىٰ قال هى عصاى اتوكؤا عليها واهش بها على غنمى ولى فيها مارب اخرى یہاں خدا کے علم کے بارے میں منکرین کا کیا خیال ہے؟

حدیث مندرجہ عنوان کو غور سے دیکھنے سے یہ بھی قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس سوال جواب کا حال آپ کو پہلے سے معلوم تھا یعنی آپ جانتے تھے کہ میرے سوال پہ مخاطب یہ جواب دے گا (جو اس نے دیا) پھر میں اسے تعلیم دوں گا کہ کسی سوال کے جواب میں مبہم جواب نہیں دینا چاہیئے بلکہ وضاحت سے کام لینا چاہیئے، جس سے سامع کی معلومات میں اضافہ ہو، اگر اس کی تشفی ہو جائے، مرسلین علیہم السلام کی عادت ہے کہ ہر بات موقع اور ضرورت کے مطابق کرتے ہیں۔ اگر یہ موقع پیش نہ آتا تو ہم ایسی مفید ہدایت سے کس طرح مستفید ہو سکتے۔

درود شریف وسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں بواسطہ ملائکہ پیش ہوتا ہے۔ اگر آپ غیب دان ہوتے تو فرشتوں کے ذریعے پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

**جواب۔** آپ کے حضور میں پیش ہو کر فرشتوں کا اعمالِ امت پیش کرنا آپ کی رفعت وعظمت شان کے باعث ہے۔ عدم کے باعث نہیں۔ ملائکہ خدا کے حضور بھی

پیش ہو کر بندوں کے اعمال پیش کرتے ہیں تو یہ شبہ خدا تعالیٰ کے متعلق بھی وارد ہو سکتا ہے۔

صفحاتِ گذشتہ میں اپنے مقام پر متعدد تفاسیر کے حوالوں سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی امت کے اعمال قلوب، اخلاص و نفاق، درجات ایمان و یقین، قصد و عزائم و نیات وغیرہ بنورِ نبوت جانتے ہیں۔

سورۂ توبہ میں باری تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، فَسَيَرَى اللّٰهُ عملکم و رسوله والمؤمنون یعنی عنقریب اللہ تعالیٰ اس کا رسول اور مومنین تمہارے اعمال دیکھیں گے، سَ استقبال قریب کے لئے ہے یعنی عالم برزخ میں تمام اعمال خام اس سے کہ وہ اچھے ہوں یا برے، خدا تعالیٰ اپنی الوہیت سے دیکھتا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نور نبوت سے اور مومنین نورِ ایمان سے، حدیث شریف میں ہے، اتقوا من فراسة المؤمن فانه ینظر بنور الله تعالیٰ یعنی مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ یقیناً نورِ حق سے دیکھتا ہے۔ آیت مذکورہ میں دیکھنے کے فاعل خدا، رسول اور مومنین ہیں جن کے دیکھنے کا وقت ایک ہی ہے مختلف اوقات نہیں۔ وہ وقت خواہ برزخ کے عالم میں ہو یا وقوعِ عمل کے فوراً بعد، بہر حال اس معاملہ میں رسول کریم اور مومنین حق تبارک و تعالیٰ سے شرکت رکھتے ہیں، افسوس اب منکرین کا کہیں ٹھکانہ نہ رہا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں علم غیب کا اعتقاد رکھنے والے لوگ انہیں حق تعالیٰ کی صفتِ علم میں شریک کرتے ہیں جس سے حق تبارک و تعالیٰ سے ان کی مساوات لازم آتی ہے؟

جواب: یہ محض منکرین کا وسوسہ اور اہل سنت والجماعت کے عقیدہ سے جہالت ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم متناہی ہے اور خدا تعالیٰ کا علم غیر متناہی، خدا تعالیٰ کا علم ذاتی اور آپ کا عطائی پھر مساوات کیونکر لازم آئی۔ ــــــ اگر منکرین خدا کی صفت میں کسی کے شریک ہونے سے ڈرتے ہیں تو آپ خدا کی رحیمی، رؤفی میں شریک ہیں۔ دیکھو سورہ توبہ کی آیۃ لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین

رؤوف الرحیم اور رسول کے لئے قرآن مجید میں لفظ شہید اور کریم بھی آئے ہیں اور خدا تعالیٰ کے لئے بھی، پس یہ اسمی شرکت صفت کی شرکت ہے تو کیا اس سے آپ نعوذ باللہ خدا کے شریک ٹھہرے، یہ صرف وہابیوں کی غلطی ہے، یہاں بھی خدا کی یہ صفتیں ذاتی ہیں اور حضور کی عطائی۔ ایسا خیال کرنے سے مساوات و شرکت کا سوال پیدا ہی نہیں ہوا۔

قاضی خان میں ہے، رَجُلٌ تزوج امراة بغیر شهود فقال الرجل والمرأة خدا و رسول را گواہ کردیم قالوا یکون کفراً لانه اعتقد ان رسول الله علیه السلام یعلم الغیب وهو ما کان یعلم الغیب حین کان فی الاحیاء فکیف بعد الموت ایک مرد نے ایک عورت سے بغیر گواہوں کے نکاح کیا، پس مرد اور عورت نے کہا کہ ہم نے خدا و رسول کو گواہ کیا، فقہا کہتے ہیں کہ یہ کفر ہے کہ انہوں نے اعتقاد کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غیب جانتے ہیں حالانکہ آپ زندہ ہونے کی صورت میں بھی غیب نہ جانتے تھے، چہ جائیکہ وصال کے بعد۔

منکرین کے پیشواؤں خلیل و رشید نے عبارت بحر الرائق جو نا کح مذکورہ کی تکفیر میں پیش کی تھی، اس کی تردید میں مصنف تقدیس الوکیل عن توہین رشید و خلیل فرماتے ہیں "ہر چند اس میں بہت کلام ہے، مگر اسی جگہ اتنا ہی جواب کافی ہے کہ ردالمحتار علی الدر المختار اور حاشیہ طحطاوی وغیرہ بحوالہ سند تاتارخانیہ و فتاوی حجۃ و ملتقط وغیرہ سے تصریح ہے ان الرواية التكفير ضعيفة غير صحيحة لان الاشياء يعرض على النبي صلی اللہ علیہ وسلم ويعرف بعض الغيب باعلام منه بدليل آیت علم الغيب فلا يظهر على غيبه احداً الا من ارتضى من رسول الاية بل الاطلاع على بعض الغيوب من كرامات الاولياء هذا خلاصة ما فی ردالمحتار والطحطاوی وهكذا فی المجموعة الخانی وغيرها یعنی یہ روایت تکفیر کی غیر صحیح ہے اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا اور باعلام الٰہی بعض غیب جانتے ہیں، بدلیل اس آیت کے کہ خدا غیب دان ہے۔ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر پسندیدہ رسول کو، بلکہ بعض غیب پر اطلاع اولیاء کی کرامات میں داخل ہے، یہ خلاصہ ہے، ردالمحتار طحطاوی اور مجموعہ خانی وغیرہ کی عبارت کا۔

فقہ حنفی کی بہت سی معتبر کتابوں میں یہی درج ہے کہ روایت تکفیر غیر صحیح ہے پس غیر صحیح روایت سے سرورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قلتِ علم پر استدلال کرنا اور اہلِ اسلام کی تکفیر پر کمر باندھنا متبعین تقویۃ الایمان کے سوا کسی ذی علم کا کام نہیں، پس اگر فتاویٰ قاضی اور بحرالرائق کی عبارتوں کا مفہوم یہ ہے کہ خود بخود بلا تعلیم الٰہی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم غیب جانتے تھے تو اس کو ہم بھی کفر سمجھتے ہیں اور اگر یہ عطاوی تعلیم الٰہی کی نفی ہے تو یہ ہرگز صحیح نہیں کیونکہ یہ بہت سی آیات، حدیث و دیگر کتبِ دینیہ کے خلاف ہے۔ اور اس سے انکار کرنا کفر کے مترادف ہے۔

نیز نکاح کرنا ایک عمل ہے اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمام امت کے اعمال اچھے ہوں یا بُرے، یہ نورِ نبوت سے دیکھتے ہیں جیسا کہ اوپر متعدد کتب، کے حوالے سے درج ہوا۔ پس عبارت قاضی خاں و بحرالرائق خلاف منقولات ہے، اور نص کے مقابلہ میں قیاس مردود ہے۔

# علم غیب کے قائلین اور منکرین کا محاکمہ

اب ہم غیب کے متعلق اس قدر لکھ چکنے کے بعد اس قابل ہو گئے ہیں کہ اہل سنت والجماعت اور منکرین کے بیانات کو پیش نظر رکھتے ہوئے معقول فیصلہ کر سکیں جو اہل عقل و نقل کے لئے یکساں طور پہ قابل قبول ہو۔

یہ صحیح ہے کہ دونوں فریق (مثبتین اور منکرین) قرآن اور حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ اگر ان کے دلائل کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو قرآن مجید میں تضاد لازم آتا ہے، حالانکہ قرآن مجید میں تضاد و اختلاف کا اعتقاد کفر ہے پھر اس اختلاف کا جو بعض آیات میں بظاہر نظر آتا ہے، اس کا ارتفاع کیونکر ہو؟ ذرا سے تامل سے یہ فرق واضح ہو جاتا ہے، اور وہ حقیقت و مجاز کا فرق ہے جیسا کہ کتاب ہذا کی ابتدا میں مرقوم ہوا، یعنی فاعل حقیقی تو ذات باری تعالیٰ ہے۔ اور مخلوقات میں سے کسی کی طرف کسی فعل یا صفت کا انتساب مجازی ہے۔ خدا تعالیٰ کے اوصاف ذاتی ہیں اور مخلوق کے اوصاف خدا تعالیٰ کے عطا کردہ ہیں، اس فرق کو پیش نظر رکھنے سے موہومہ اختلافات آیات خود بخود اٹھ جاتا ہے علم غیب کے بارے میں ہم ذرا وضاحت سے کام لیتے ہیں اور اہل سنت والجماعت کا اس کے متعلق عقیدہ بیان کرتے ہیں جس پہ بغور نظر کرنے سے بہت سے اختلافات اور غلط فہمیاں خود بخود دور ہو جائیں گی اور یہ

۱۔ ذاتی علم غیب صرف خدا تعالیٰ کے لئے ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم غیب خدا تعالیٰ کا عطا کردہ ہے۔

۲- خدا تعالیٰ کا علم محیط کل اور غیر متناہی ہے مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم خدا تعالیٰ کے علم کا بعض اور متناہی ہے۔

۳- حضورؐ کا یہ بعض خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں ہے، مخلوقات کے مقابلہ میں نہیں مخلوقات کے لئے بعض بھی لا متناہی ہے کیونکہ اس کا اندازہ نا ممکن ہے۔

۴- آپؐ کا علم مخلوقات کے جمیع علوم سے زیادہ ہے لیکن خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسا کہ سمندر کے مقابلہ میں قطرہ۔

۵- آنجنابؐ کو یہ علم تدریج عطا ہوا۔ یہ سلسلہ تا اختتام نزول قرآن جاری رہا، نزول قرآن کے اتمام پر اللہ تعالیٰ آپ کو جملہ مغیبات کا (جسے ہم ماکان و ما یکون کہتے ہیں) علم عطا فرمایا۔

۶- آپؐ باوجود جاننے کے بعض امور کا کسی دوسرے سے دریافت کرنا بھی کسی حکمت کی بناء پر تھا۔

۷- آپؐ باوجود جاننے کے بعض امور کے کتمان پر مامور تھے، اور بعض امور کا کتمان کسی حکمت کی بناء پر ہوتا تھا جو کسی موقع محل اور ضرورت اظہار کا متقاضی تھا۔

۸- حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علوم رحمانی ہیں تفصیلی علوم خدا تعالیٰ کے لئے ہیں۔

۹- امور مندرجہ بالا کے پیش نظر ہمیں آیات قرآنی پر غور کرنا چاہیئے اور ان سے یہ نتائج اخذ کرنے چاہئیں،

۱- آیات میں جہاں آپ کے لئے علم غیب کی نفی کی گئی، وہاں علم غیب ذاتی مراد ہے، جو صرف خدا تعالیٰ کے لئے ہے۔

۲- جہاں علم غیب کا اثبات ہے وہاں علم غیب عطائی بہ تعلیم الٰہی مراد ہے جو آپ کا خاصہ ہے۔

۳- بعض جگہ قرآن اور حدیث میں جو آپ کی ذات سے جو علم غیب کی نفی کی گئی ہے، یہ اس وقت تک تو درست ہے جس وقت۔ وہ کی گئی بعد میں وہ علم آپ کو حاصل ہوگیا، یعنی یہ بات اس وقت کے بعد علم غیب عطا ہونے کے منافی نہیں۔

۴۔ بعض امور کا اخفا آپؐ نے کسی حکمت کی بنا پر کیا تاکہ اس کا اظہار بوقت ضرورت ہو، پس جب آپ نے اس کے اظہار کا موقع اور مخاطبین میں اس کے قبول کی رغبت وصلاحیت دیکھی تو آپؐ نے ظاہر فرما دیئے۔

## افراط و تفریط

اس معاملہ میں جہاں بعض افراد اہل سنت والجماعت نے افراط سے کام لیا، وہاں گروہِ منکرین نے تفریط کو اس حد تک پہنچا دیا جس کے ڈانڈے انکار آیاتِ قرآنی سے جا ملتے ہیں اور ایسی تو کوئی بات یا شبہ نہیں جو گستاخی شوخی اور سوءِ ادب تک نہ جا پہنچے، اہل سنت والجماعت کے بعض افراد نے آپ کے لئے جملہ علوم غیبی یوم پیدائش ہی سے تصور کر لئے اور اُن میں تدریجی ارتقا کو صاف نظر انداز کر دیا جہاں کہیں انہیں آپ کا بہ تعلیم الٰہی بذریعہ الہام و وحی وغیرہ علم غیب سیکھا نظر آیا، وہاں بھی جھٹ یہ کہہ دیا کہ یہ بات تو آپ پہلے سے ہی جانتے ہیں حالانکہ یہ مسلّم ہے، یہ علوم آپ کو بتدریج سکھائے گئے جس کی انتہا اتمام نزولِ قرآن کے دن اتممت علیکم نعمتی کی مہر لگ چکنے کے بعد ہوئی والآخرۃ خیر لک من الاولیٰ میں اسی امر کی طرف اشارہ ہے کہ جوں جوں آپ کے علوم میں اضافہ ہوتا گیا، آپ کی بعد کی حالت پہلی حالت سے بہتر ہوتی چلی گئی، اگر اس تدریجی ارتقا سے انکار کیا جائے تو ربِّ زِدْنِی عِلْمًا کے کیا معنی لئے جائیں گے اور کیا اس بات کو تسلیم کرنے سے آپ کی شان میں کمی واقع ہوتی ہے، حاشا وکلا، کیونکہ یہ امر واقع ہے، اس سے انکار کرنا اپنی جہالت کا ثبوت دینا ہے، اسی امر کے انکار نے منکرین کو بہت سے اعتراضات اور شبہات گھڑنے کی جرأت دلائی، مثلاً قرآن مجید میں ہے۔ یسئلونک عن الساعۃ قل انما علمھا عند اللہ یہاں اگر صاف اقرار کر لیا جائے، کہ آیت کے نزول تک واقعی علم الساعت آپ کو کما حقہٗ حاصل نہ تھا، تو اس میں کونسی خرابی لازم آتی ہے اور اہل سنت والجماعت کی خواہ مخواہ تاویلات سے کام لے کر آپ کے لئے نزول آیت کے وقت علم الساعت ثابت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ انہیں تو منکرین سے صرف یہ سوال کرنا چاہیئے کہ اس آیت کے نزول کے بعد بھی کیا آپ کو علم ساعت عطا

نہیں کیا گیا، اگر نہیں تو قرآن مجید اور احادیث میں جو کچھ احوالِ قیامت کے متعلق بیان ہوا ہے، اس سے انکار لازم آتا ہے یا نہیں؟ اگر لازم آتا ہے تو یہ انکار منکرین کو مبارک ہو۔ ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

بعض مقامات پر جہاں صاف ثابت ہوتا ہے کہ بعض مغیبات آپ کے مشاہدہ میں لائے جا رہے ہیں اور بذریعہ وحی یا الہام آپ پر وہ منکشف فرمائے جا رہے ہیں وہاں منکرین کو ضلالت اور جہالت کی شبِ دیجور میں دُور کی سوجھی ہے کہ اگر حضورؐ کو علمِ غیب ہوتا تو ایسا وقوع میں کیوں آتا جیسا کہ شبِ معراج میں آپؐ نے جبرائیلؑ سے کئی امور کے متعلق استفسار فرمایا، یہاں علمائے اہلِ سنت والجماعت کے لیے یہی جواب دینا کافی ہے کہ ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے جملہ مغیبات کا علم یومِ پیدائش ہی سے نہیں مانتے، ہمارا عقیدہ ہے کہ آپ کو یہ علوم بتدریج بہ تعلیمِ الٰہی بذریعہ الہام وحی حاصل ہوئے جس کی ایک جھلک تم خود دیکھ رہے ہو اور اس پر اعتراض کر رہے ہو۔

منکرین نے تفریط میں کمال کر دکھایا اور حضورؐ کے لیے بعض علمِ غیب عطائی جزوی طور پر ماننے سے بھی انکار کر دیا جس سے صدہا آیات و احادیث کا انکار لازم آتا ہے لیکن اس کی انہوں نے بالکل پرواہ نہیں کی اور نفیِ علمِ غیب پر ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا، اس سلسلے میں انہیں اپنی لکھی ہوئی باتوں کا بھی پاس نہ رہا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے مرتبے کو گھٹاتے گھٹاتے بھائی کے برابر کر دیا، اور وسعتِ علم میں انہیں شیطان لعین سے بھی کم قرار دیا (نعوذ باللہ من ذالک) براہینِ قاطعہ میں ہے غور کرنا چاہیے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علمِ محیط زمین کا فخرِ عالم خلاف قطعیہ بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصہ ہے شیطان و ملک الموت کی یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی، فخرِ عالم کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے، کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے تقویۃ الایمان میں ہے کہ خدا کا دیا ہوا علمِ غیب ماننا بھی شرک ہے۔ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے رسالہ حفظ الایمان میں حضورؐ کے بعض علمِ غیب کا مقر ہوتے ہوئے

اسے چوپاؤں اور دیوانوں کے علم کے ساتھ تشبیہ دی" ان کے ایسے عقائد سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات سے انہیں عداوت ہے۔ اور ان کی رفعت شان اور عظمت سے جل مرتے ہیں، انہوں نے جو آیات و احادیث نفی علم غیب کے سلسلے میں پیش کی ہیں ان میں بالذات اور بالاستقلال علم غیب کی نفی ہے لیکن یہ علم غیب عطائی کو بھی اسی لپیٹ میں لے آئے ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، کہ اس طرح خدا و رسولؐ میں مساوات کا امکان ہے حالانکہ اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ ذاتی علم غیب خدا کا خاصہ ہے اور عطائی علم غیب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاصہ ہے اور معطی اور معطی علیہ میں مساوات ثابت نہیں ہوتی کیونکہ معطی کا درجہ ہر حالت میں بلند ہے۔

نفی علم غیب کی آیات کو جو وقتی طور پہ تھیں ان کو منکرین اسی طرح مانتے ہیں، جس طرح بوقتِ نزول انہیں ماننا چاہیے اور اثبات کی آیات جو بعد میں نازل ہوئیں ان کی طرف مطلقاً غور نہیں کرتے مثلاً" قرآن مجید میں منافقین کے متعلق ارشاد ہوتا ہے لاتعلمھم نحن نعلمھم اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی ولتعرفنھم فی لحن القول تفسیر جمل میں ہے فان قلت کیف نفی عنہ علم بحال المنافقین واثبتہ فی قولہٖ تعالیٰ ولتعرفنھم فی لحن القول فالجواب ان آیت النفی نزلت قبل آیت الاثبات یعنی اگر تو کہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منافقین کا حال جاننے کی نفی کی گئی، حالانکہ آیت ولتعرفنھم فی لحن القول میں اس کے جاننے کا ثبوت ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نفی کی آیت اثبات کی آیت سے پہلے نازل ہوئی، حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک جمعہ کو خطبہ کے وقت ان کے نام لے لے کر مسجد سے باہر نکال دیا جن کی تعداد تین مرد اور ایک سو سترہ عورتیں بتائی جاتی ہے اب منکرین بتائیں کہ اس حدیث اور دوسری آیت کا تطابق لاتعلمھم نحن نعلمھم سے لے کر کریں گے بجز اس کے کہ یا اُسے منسوخ تسلیم کر لیں یا اس میں نفی صرف علم ذاتی کو مانیں، منقولات کے پیش کرتے وقت منکرین نے بعض اوقات سیاق و سباق کلام کو خیال میں نہیں رکھا جہاں نفی

علم غیب کا امکان بھی نہ تھا، وہاں سینہ زوری سے اُسے ثابت کرنے کی کوشش کی یہ علیحدہ امر ہے کہ ان کی اس کوشش سے خود انہیں کی جہالت وضلالت ثابت ہوتی چلی گئی۔ جیسا کہ وماعلمناہ الشعر وما ینبغی لہ (آیت سورۂ یٰسین میں، جہاں اس عہد کی مروجہ شاعری کی لغویت کا اظہار بہ مقابلہ قرآن مجید منظور ہے۔ معلوم نہیں کہ منکرین نے علم شعر کو جو زید و بکر وغیرہ سے سیکھا جا سکتا ہے کیوں علوم غیب کی صف میں داخل کر لیا، منکرین نے بعض جگہ تعصب وخیانت سے کام لیا اور نقل حوالہ میں اصل عبارت کو اپنی جگہ پر قائم نہیں رہنے دیا جس سے مفہوم عبارت ہی بدل گیا مثلاً شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے ایک حدیث براہین قاطعہ میں اس کے مصنف نے درج کی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ "مجھے دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں" شیخ مذکور نے نقل حدیث کے بعد "این سخن اصلے ندارد و روایت بداں صحیح نہ شدہ است" لکھا ہے لیکن ناقل اس کو صاف ہضم کر گیا۔ مولوی حسین علی واں بھچری نے رسالہ غیب دانی میں سورۂ جن کی آیت متعلقہ علم غیب کا ایک جزو لا یظھر علیٰ غیبہ احداً تو لے لیا، تاکہ اپنا مزعومہ دعویٰ ثابت ہو جائے مگر دوسرا جزو الامن ارتضیٰ من رسول، جس سے علم غیب کا اثبات ہے چھوڑ دیا، تفسیر فتح العزیز کے مترجم نے آیت ویکون الرسول علیکم شہیداً کی تفسیر نقل کرنے میں جو وہابی مذہب کے خلاف تھی، خیانت کی وغیرہ ـــــ عقلی طور پر اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ ہی درست معلوم ہوتا ہے کیونکہ آدم علیہ السلام کو خلافت الٰہی تفوق علم کے باعث ہی حاصل ہوئی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ مقدس تو خلاصہ موجودات ہے تمام موجودات کے کمالات اور علوم آپ کی ذاتِ مقدس میں جمع ہیں کیونکہ آپ کائنات میں خدائے تعالیٰ کے خلیفۂ اعظم ہیں، یا نیابت الٰہیہ کا بہترین مجسمہ ہیں، اور نائب کے لئے ضروری ہے کہ مناسب کی مرضی اور منشار کے مطابق نظام کو چلائے لہٰذا اس کے لئے ہر چیز کے متعلق مناب کی رضا کا علم لازمی ہے پھر اختیار کا نمبر آتا ہے جس کے ماتحت کوئی نظام قائم ہو سکتا ہے، پس ایسی صورت میں یہ ضرور ماننا پڑے گا کہ آپ کا علم موجودات کے مجموعی علم سے زیادہ ہے اور آپ کے علم سے خدا کا علم ہی زیادہ ہے کسی کی مجال

نہیں کہ اس بارے میں آپ کی برابری کا دعویٰ کر سکے اور یہی بات آپ کی رفعتِ شان کے متقاضی ہے۔ ہمیں آپ کے کمالات کے سامنے سرِ عجز جھکا کر صدقِ دل سے اقرار کرنا چاہیئے۔

## بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

منکرین کے لئے یہ چند سطور ہی اگر وہ انصاف سے کام لیں تو کافی ہیں ورنہ تعصب کی پٹی آنکھوں پہ بندھی ہونے کی صورت میں ایک دفتر بھی ناکافی ہے۔ اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ ایسا ہے جس کی موجودگی میں آیات قرآنی میں باہم مطابقت ہو سکتی ہے منکرین کی باتوں کو مدِ نظر رکھیں تو افتؤمنون ببعض الکتاب و تکفرون ببعض کے ماتحت کئی آیات اور سینکڑوں احادیث کا انکار لازم آتا ہے۔ خدا اس سے بچائے واللہ یھدی الی سبیل الرشاد۔ اخیر میں ہم وہ چیلنج درج کر کے اپنے مضمون کو ختم کرتے ہیں، جو زبدۃ المحققین امام المناظرین اعلیحضرت مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے علمائے اہلِ سنت والجماعت کی طرف سے منکرین کو دیا، وھو ھذا

"ہاں ہاں تمام نجدیہ دہلوی گنگوہی جنگلی کوہی سب کو دعوتِ عام ہے، اجمعوا شرکاءکم چھوٹے بڑے سب اکٹھے ہو کر ایک آیت قطعی الدلالۃ یا ایک حدیث متواتر یقینی الافادہ چھانٹ لائیں جس سے صاف صریح طور پر یہ ثابت ہو کہ تمامی نزول قرآن عظیم کے بعد اشیاء مذکورہ ماکان وما یکون سے فلاں امر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مخفی رہا جس کا علم حضورؐ کو دیا نہ گیا، فان لم تفعلوا فاعلموا ان اللہ لا یھدی کید الخائنین منکرین کے پاس اگر اس کا معقول جواب ہو تو پیش کریں۔

قرآن مجید میں ہے وَسِعَ رَبِّیْ کُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا (میرا پروردگار علم کے لحاظ سے ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے) نیز فقل ربکم ذو رحمۃ واسعۃ (لیں کہدو کہ تمہارا رب وسیع رحمت کا مالک ہے) یہاں خدا کی شانِ علیمی کو ہر چیز پر محیط کیا ہے۔ قرآن مجید خدا تعالیٰ کی رحمت کو بھی وسیع کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا

ہے۔ وسعت رحمتی علیٰ کل شئ یعنی میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے جس طرح خدا کی صفت علم میں عمومیت پائی جاتی ہے، ہوبہو وسعت کے لحاظ سے ایسی ہی عمومیت صفت رحمت میں بھی ہے، جہاں صفت رحمت ہر چیز کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے وہاں صفت علم بھی ہر چیز کو اپنی وسعت سمیٹے ہوئے ہے، اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا کی رحمت ہے کیا چیز اور اس کا اس مسئلہ سے کیا تعلق ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خدا کی رحمت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس ہے۔ دیکھئے آیت وما ارسلناک الا رحمۃ للعٰلمین پس جس طرح خدا کی رحمت ہر جگہ موجود ہے اسی طرح آپ کی ذات بھی ہر جگہ موجود ہے اور ہر چیز کو اپنے سایۂ عاطفت میں لئے ہوئے ہے اور اس کے ساتھ ہی پہلو بہ پہلو خدا کی شان علیمی بھی اپنی بہار دکھا رہی ہے۔ موجودات میں خدا کی صفت علم اور صفت رحمت کی یہ جلوہ گری اپنی وسعت کے لحاظ سے بالکل یکساں ہے۔ اس سے ہمیں یہ لازماً تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ جہاں آپ کی ذات موجود ہے، وہاں آپ کا علم بھی موجود ہے اور یہ مسلم ہے کہ آپ کی ذات مقدس بلحاظ مجسمہ رحمت ہونے کے ہر جگہ موجود ہے (کیونکہ رحمت الٰہی کی وسعت کا تقاضہ ہی یہی ہے کہ وہ ہر جگہ موجود ہو) اس لئے آپ کا علم بھی ہر جگہ موجود ہے اور ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے اور اس پہ ہر وقت خدائی علم کی وسعت کا پرتو پڑ رہا ہے۔

اسے مختصر الفاظ میں ہم یوں ادا کر سکتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی وسیع رحمت کا مظہر آپ کی ذات ہے اور ہر جگہ موجود ہے اور اس کے وسیع ذاتی علم کا پرتو آپکا عطائی علم غیب ہے، اس لئے یہ بھی ہر چیز کو اپنے دامن وسعت میں لئے ہوئے ہے کیونکہ یہ دونوں صفتیں عمومیت کے لحاظ سے یکساں ہیں۔

نظر بریں صورت اہلسنت والجماعت کا عقیدہ درست و صحیح ہے۔ اس میں شرک کی کوئی شق نہیں ہاں اس عقیدے کی مخالفت حضور پُر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فیعت شانٰ

سے عدم آگاہی کا ثبوت ہے جو گستاخی اور سوءِ ادب کی حدود سے گزار کر آدمی کو کفر کی منزل تک پہنچا دیتی ہے۔

# مسئلہ استمداد

کسی آدمی کا حضرات انبیائے کرام اور اولیائے عظام سے مدد مانگنا جائز ہے، دراں حالیکہ اس کا عقیدہ یہ ہو کہ حقیقی مدد تو خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہی ہو، یہ حضرات اسی کے مظہر ہیں اور اسی کی عطا کردہ قدرت سے کسی کی مدد کرنے کی طاقت رکھتے ہیں یعنی قدرت امداد ان کی ذاتی نہیں بلکہ حق تبارک وتعالیٰ کی عطا کردہ ہے۔

اس سلسلے میں ہم پہلے استمداد کے جواز میں دلائل پیش کرتے ہیں پھر اس پہ جو اعتراضات کئے گئے ہیں، ان کے جوابات معہ دلائل تحریر کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

## استمداد پر دلائل

قولہ تعالےٰ۔ وتعاونوا علی البر والتقوٰی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان واتقوا اللہ ط ان اللہ شدید العقاب (سورہ مائدہ ربع اوّل) اور مدد کرو تم اوپر نیکی کے اور پرہیزگاری کے اور نہ مدد کرو تم گناہ اور ظلم پہ اور ڈرو تم اللہ سے، تحقیق اللہ سخت عذاب کرنے والا ہے۔ ...... (موضح القرآن)

تعاونوا صیغہ امر ہے، باب تفاعل سے جو مشارکت کے لئے آتا ہے یعنی آپس میں باہم ایک دوسرے کی مدد کرنا، باقی رہا مدد طلب کرنا، وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ سے ثابت ہے استعینوا صیغہ امر ہے، باب استفعال سے جس کا خاصہ طلب کرنا ہے یعنی مدد طلب کیا کرو، ساتھ صبر اور نماز کے، صبر اور نماز دونوں بندے کے فعل ہیں۔ پس بوسیلہ مخلوق، بادشاہ باری تعالیٰ استعانت، مامور بہا ہو گئی، کیونکہ بحکم ان اللہ خلقکم وما تعملون بندوں کے افعال بھی مخلوق ہیں ـــــ یاجوج ماجوج کی آمد ورفت بند کرنے

کرنے کیلئے حضرت سکندر ذوالقرنین سے عرض کی گئی جس کے جواب میں آپ نے کہا اعینونی بقوۃ یعنی تم میری بلحاظ قوت امداد کرو پھر انہوں نے دو پہاڑوں کے درمیان زمین کو پانی کی گہرائی تک کھودا اور دیوار کی بنیاد رکھی جو پہاڑوں کی بلندی تک اونچی اٹھائی گئی جسے سدِ سکندری کہتے ہیں اس سے مدد مانگنا اور مدد دینا دونوں ثابت ہو جاتی ہیں۔

## قبل از ولادت حضورؐ سے استمداد

اہل کتاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے پہلے جب مشرکین سے مغلوب ہوتے تو آپ کے وسیلہ سے مدد چاہتے اس پہ حق تعالیٰ نے انہیں مشرکین پہ غلبہ عطا فرمایا، کما قال اللہ تعالیٰ وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا الآیہ اس کی تفسیر مظہری میں اس طرح وضاحت کی گئی ہے، وکانوا ای الیھود من قبل لے قبل البعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم یستفتحون ینصرون علی الذین کفروا اے مشرکین العرب ولیقولون اللھم انصرنا علیھم بالنبی المبعوث فی اٰخر الزمان الذی نجد صفتہ فی التوراۃ، خازن مدارک، ... اور موضح القرآن کی عبارات کا مفہوم بھی یہی ہے یعنی جب یہودی آپ کی بعثت سے پہلے کفار سے عاجز آجاتے تو دعا مانگتے کہ اے پروردگار ہمیں آخری زمانے کے پیغمبر کے طفیل ان پہ فتح دے۔

اور تفسیر فتح العزیز جلد اول مطبوعہ محمدی لاہور کے صفحہ ۱۰ پر آیت مذکورہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں لیکن دریں جا باید فہمید کہ استعانت از غیر بوجہیکہ اعتماد بر آن غیر باشد واورا مظہر عون الٰہی نداند حرام است، واگر التفات محض بجانب حق است، واو را یکے از مظاہر عون دانستہ ونظر بکارخانہ اسباب وحکمت او تعالیٰ دراں نمودہ بہ غیر استعانت ظاہری نماید دور از عرفان نخواہد بود، ودر شرع نیز جائز وروائیت وانبیاء واولیاء ایں نوع استعانت ظاہری حقیقت ایں نوع استعانت بہ غیر نیست بلکہ استعانت بحضرت حق است لاغیر یعنی یہاں سمجھنا چاہیئے کہ غیر خدا سے اس پہ بھروسہ کرتے ہوئے اور اسے مظہر امداد الٰہی نہ جانتے ہوئے مدد مانگنا حرام ہے لیکن اگر بباطن حق تعالیٰ کی طرف توجہ ہو تو ان سے

مظہر ذات الٰہی جانتے ہوئے اور اسباب و حکمت الٰہی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اگر غیر خدا سے ظاہری امداد طلب کی جائے تو یہ بعید از عرفان الٰہی نہیں، یہ امر شریعت میں بھی جائز اور روا ہے، اس قسم کی استعانت انبیاء و اولیاء نے بھی غیر سے کی ہے دراصل اس قسم کی مدد طلب کرنا استعانت بہ غیر نہیں، بلکہ استعانت بحق تعالیٰ ہے، مولوی اسماعیل صاحب دہلوی نے منصب امامت مترجم، مطبوعہ فاروقی دہلی میں لکھا گیا ہے۔

"وازاں جملہ مامور شدن عبادت است بہ نفس ایشاں و طلب معرفت ایشاں، قال اللّٰہ تعالیٰ و ابتغوا الیہ الوسیلۃ و مراد از وسیلہ شخصے است کہ اقرب الی اللّٰہ باشد در منزلت کما قال اللّٰہ تعالیٰ اولٰئک الذین یدعون یبتغون الی ربھم الوسیلۃ ایھم اقرب واقرب الی اللّٰہ باعتبار منزلت اول رسول است، بعد ازاں امام کہ نائب اوست" مفہوم اس کا یہ ہے کہ بزرگان دین کے حاصل ڈھونڈنے اور ان کی معرفت طلب کرنے میں بندوں کو امر الٰہی ہوا جیسے فرمایا خدا تعالیٰ نے، اے ایمان والو، ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور اس کی طرف وسیلہ طلب کرو، اور وسیلہ سے مراد وہ شخص ہے جو حق تبارک و تعالیٰ کی جناب میں باعتبار عزت و مرتبہ بہت قریب ہو جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہی لوگ ہیں کہ پکارتے ہیں، تلاش کرتے ہیں اپنے پروردگار کے پاس سے ... سے کون زیادہ ان کے قریب ہے، اللہ تعالیٰ بہت نزدیک، یہ لحاظ عزت و منزلت پہلے رسولؐ ہیں پھر امام جو نائب رسولؐ ہے۔

اور تفسیر محمدی مطبوعہ گلزار محمدی لاہور میں آیت مذکورہ کی تفسیر میں حافظ محمد لکھوی نے بھی بحوالہ فتح الرحمان شاہ ولی اللہ صاحب، یہ لکھا ہے، بودند پیش ازاں طلب فتح میکردند بر کافراں یعنی بحرمت قرآن و محمد فتح بر کافراں میخواستند، اس کا ترجمہ پنجابی میں لکھا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ یہودی شہر کفار سے ڈر کر اس سے پیشتر طلب فتح کیا کرتے تھے کہ اے خدا ہمیں اس نبی کی طفیل جس کی صفت تورات میں پڑھی جاتی ہے، فتح عطا فرما، پھر انہیں فتح ملتی تھی، یہ معالم میں بھی لکھا ہے، مثنوی شریف میں لکھا ہے۔

بود در انجیل نام مصطفےٰ ۔ آں سرِ پیغمبراں بحرِ صفا
طائفہ نصرانیاں بہرِ ثواب ۔ چوں رسیدندی بداں نام و خطاب
بوسہ دادندے براں نام شریف ۔ رو نہادندے براں وصفِ لطیف
اندریں قصہ کہ گفتیم آں گروہ ۔ ایمن از فتنہ بدند وانہ شکوہ
ایمن از شر امیران و زیر ۔ در پناہِ نام احمدؐ مستجیر
نسل ایشاں نیز ہم بسیار شد ۔ نورِ احمدؐ ناصر آمد یار شد
نام احمد ایں چنیں یاری کند ۔ تاکہ نورش چوں نگہداری کند
نام احمدؐ چوں حصارے شد حصین ۔ تاچہ باشد ذاتِ آں روح الامینؐ

ترجمہ: انجیل میں سید الانبیاء بحرِ صفا حضرت مصطفےٰ کا نام درج تھا، نصرانیوں کا ایک گروہ جب انجیل پڑھتے پڑھتے آپ کے نام اور خطاب تک پہنچتا تو حصولِ ثواب کی غرض سے اس نام شریف پر بوسہ دیتا اور مرقوم اوصاف کو صدق یقین سے تسلیم کرتا، اور اس پر اپنی پیشانی رکھتا، اس کی برکت سے وہ گروہ فتنہ و فساد سے محفوظ تھا اور جناب احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام مبارک کی پناہ میں امیر و وزیر کے شر سے بے فکر تھا، نورِ احمدی کی نصرت اور یاوری سے ان لوگوں کی نسل نے بہت ترقی کی، جب آپ کا نام پاک اس طرح یاوری کرتا ہے تو آپ کے نورِ مبارک کے کیا کہنے جب آپ کا نام مبارک امن و حفاظت کا مضبوط قلعہ ہے تو اس ذاتِ مقدس کی رفعت و عظمت کیا ہو گی۔

قولہ تعالیٰ یاایھا الذین آمنوا کونوا انصار اللہ کما قال عیسیٰ ابن مریم للحواریین من انصاری الی اللہ قال الحواریون نحن انصار اللہ (سورۃ صف)

مسلمانو! (مراد انصار ہیں کہ بیچ عقبۂ ثانیہ کے بیعت کی تھی اور کہتے ہیں وہ ستر آدمی تھے، یا سب مسلمانوں کو خطاب ہے) ہو تم یاری کرنے والے دین اللہ کے کہ اور پیغمبر اس کے کو یعنی اے محمدؐ نصرت طلب کرو قوم اپنی سے جیسے نصرت طلب کی عیسیٰ بیٹے مریم کے نے خالص حواریوں کو کہ کون ہیں یاور اور یاری کرنے والے میری طرف نصرت اللہ کی یا کون ہیں

مددگرنے والے میری پیچ دعوت کرنے خلق کی طرف نصرت اللہ کی، کہا حواریوں نے کہ اس راہ میں ہم ہیں مدد کرنے والے دین اللہ کے کی (موضح القرآن)

آیت مذکورہ میں حق تبارک وتعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت و شان کے لئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے مددگار بنو یعنی حضور کی مدد کرنے کو اپنی مدد کہا اور من انصاری عیسیٰ علیہ السلام کی طرح نہ کہا یہاں مدد کرنا اور مدد مانگنا دونوں منصوص ہیں۔

## انبیاء حضور کی امداد کرتے ہیں

خدا تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدد کے لئے جملہ انبیائے کرام سے عالم ارواح میں عہد لیا کہ جب حبیب اللہ خیر الوریٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں تشریف لائیں، تو بالضرور آپ کی امداد کریں، کما قولہ تعالیٰ واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اٰتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمننّ بہ ولتنصرنّہ سے یکر الفسقون تک، دیکھو یہاں قرآن مجید میں صریحاً امداد کرنے اور کرانے کا ارشاد ہو رہا ہے اور اس سے انکار قرآن سے انکار ہے۔ پارہ اوّل ربع سوم میں ہے وَاَیَّدْنٰہُ بِرُوْحِ الْقُدُس یعنی ہم نے انہیں روح القدس سے مدد کی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درگاہ باری تعالیٰ میں عرض کی۔ واجعل لی وزیراً من اھلی ھارون اخی اشدد بہ ازری واشرکہ فی امری یعنی بنا اور مقرر کر میرے واسطے یار اور مددگار میرے کنبے میں سے میرے بھائی ہارون کو، اور اس سے مضبوط کر پیٹھ میری اور اسے میرا رفیق بنا پیغمبری میں، اگر مدد مانگنا یا مدد کرنا شرک ہوتا تو حضور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کرنے میں جملہ انبیائے کرام سے مدد کا عہد کیوں لیا جاتا، اور موسیٰ علیہ السلام خدا سے التجا کیوں کرتے کہ میرے بھائی کو میرا مددگار بنا۔

قولہ تعالیٰ ھو الذی ایدک بنصرہ وبالمؤمنین والّف بین قلوبہم الآیہ یعنی اللہ وہ ذات ہے جس نے تجھ کو قوت دی ساتھ یاری اپنی کے اور قوت دی ساتھ مؤمنوں کے اور الفت ڈالی درمیان دلوں ان کے کے۔ اس طرح قرآن مجید کی متعدد آیات

سے دوسرے سے مدد مانگنا اور کسی کو مدد دینا ثابت ہے۔

تفسیر بیضاوی میں تحت آیہ فالمدبرات امرًا (سورۂ نازعات) لکھا ہے، او صفات النفوس الفاضلۃ حال المفارقۃ فانہا تنزع عن الابدان غرقًا ای نزعًا شدیدًا من اغراق النازع فی القوس فینشط الی عالم الملکوت وتسبح فیہ فتسبق الی حظائر القدس فتصیر وا بشرفہا وقوتہا من المدبرات۔ ان آیاتِ کریمہ میں اللہ عزوجل ارواحِ اولیاء کرام کا ذکر فرماتا ہے، جب وہ اپنے مبارک بدنوں سے جُدا ہوتی ہیں، جسم سے جُدا ہو کر وہ عالمِ بالا کی طرف سبک خرامی اور دریائے ملکوت میں شناوری کرتی ہوئی خطر ہائے حضرتِ قدس تک جلد رسائی پاتی ہیں۔ پس اپنی بزرگی و طاقت کے باعث کاروبارِ عالم کے تدبیر کرنے والوں میں سے ہو جاتی ہیں، اِس کی تائید مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی نے اپنی کتاب منصبِ امامت میں جو لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اولیاء اللہ ملائکہ مدبرات الامر کی طرح حل المشکلات اور حاجت روائی کرتے ہیں۔

پارہ ۳۰ ربع سوم میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے، والقمر اذا اتسق۔ اس کے ضمن حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی فرماتے ہیں "و بعضے از خواص اولیاء اللہ را کہ آلہ جارحہ تکمیل و ارشاد بنی نوع خود گردانیدہ اند دریں حالت ہم تصرف در دنیا دادہ و استغراق آنہا بجہت کمالِ وسعت مدارک آنہا مانع توجہ بایں سمت نمی گردد، و اویسیاں تحصیل کمالات باطنی از انہامی نمایند، و اربابِ حاجات و مطالب حل مشکلات خود از انہا می طلبند و می یابند و زبانِ حال دراں وقت ہم مترنم بایں ہمہ مقالات است۔ ع

من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن"

یعنی بعض خاص اولیاء اللہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے محض اپنے بندوں کی ہدایت وارشاد کے لئے پیدا کیا ہے، ان کو اس حالت میں بھی اس عالم کے تصرف کا حکم ہوا ہے اور اس طرف متوجہ ہونے سے ان کا استغراق بوجہ کمالِ وسعتِ مدارک انہیں روکتا نہیں اور اویسی طریقہ کے لوگ باطنی کمالات انہی سے حاصل کرتے ہیں، حاجتمند اور اہلِ غرض لوگ اپنی مشکلات کا حل انہی سے چاہتے ہیں، اور جو چاہتے ہیں وہ پاتے بھی ہیں اور زبانِ

حال سے یہ گیت گاتے ہیں ؎

من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن

رف - پورا شعر اس طرح ہے :-

مرا زندہ پندار چوں خویشتن　　من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن

یعنی مجھے اپنی مانند زندہ سمجھو، اگر تم میری طرف بدن سے آؤ گے تو میں تمہاری طرف جان سے آؤں گا۔ تم بظاہر میری طرف متوجہ ہو گے تو میں ہمہ تن بہ باطن تمہاری طرف ملتفت ہوں گا۔

مولوی اسمٰعیل صاحب صراط مستقیم میں لکھتے ہیں "اما نسبت قادریہ و نقشبندیہ پس بیانش آنکہ بہ سبب برکت بیعت و یمن توجہات آنجناب ہدایت مآب روح مقدس جناب حضرت غوث الثقلین و جناب حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند متوجہ حال حضرت ایشاں گردیدہ، و تا قریب یک ماہ فی الجملہ تنازع درمابین روحین مقدسین در حق حضرت ایشاں ماندہ، زیرا کہ ہر واحد ازیں ہر دو امام تقاضائے جذب حضرت ایشاں تمامہ بسوئے خود میفرمود تا اینکہ بعد انقراض زمانہ تنازع و وقوع مصالحت بر شرکت روزے ہر دو روح مقدس بر حضرت ایشاں جلوہ گر شدند و تا قریب یک پاس ہر دو امام بنفس نفیس حضرت توجہ قوی و تاثیر زور آور می فرمودند تا اینکہ درہم یک پاس حصول نسبت ہر دو طریقہ نصیبہ حضرت ایشاں گردد، و اما نسبت چشتیہ پس بیانش آنکہ روزے حضرت ایشاں بسوئے مرقد منور حضرت خواجہ خواجگان خواجہ قطب الاقطاب بختیار کاکی قدس سرہٗ العزیز تشریف فرما شدند و بر مرقد مبارک ایشاں مراقب نشستند، دریں بروح پر فتوح ایشاں ملاقات متحقق شد، و آنجناب بر حضرت ایشاں توجہ بس قوی فرمودند کہ بہ سبب آں توجہ ابتدار حصول نسبت چشتیہ متحقق شد۔"

عبارت مذکورہ سے یہ باتیں ثابت ہوئیں :-

(۱) دونوں بزرگوں کا بعد وفات بھی دور سے معلوم کر لینا کہ فلاں جگہ جا کہ فلاں آدمی کو فیوضات قادری اور نقشبندی عطا کرتے ہیں۔

(۲) پھر دونوں صاحبوں کا بغداد شریف اور بخارا سے بہ یک وقت وہاں پہنچ جانے جس سے معلوم ہوا کہ دونوں کو ایک دوسرے کی روانگی اور رسیدگی کے وقت کا علم تھا۔

(۳) اس قدر تصرف کہ ایک ہی پیر میں قادری اور نقشبندی طریق کے مطابق باکمال بنا دیا جس سے اولیاء اللہ کا حاجت اور مشکل کشا (بحکم جل وعلا) ہونا ثابت ہوا۔

(۴) حصولِ کمالات باطنی کے لئے مزارات۔ اولیاء اللہ پہ جانا اور صاحبِ مزار کا فیوض باطنی سے مالا مال کرنا۔

(۵) عطائے فیض میں اولیاء اللہ کا تصرف وغیرہ وغیرہ۔

امامِ غیر مقلدین نواب صدیق الحسن خاں بھوپالی رسالہ نفح الطیب میں قاضی شوکانی سے یوں مدد مانگتا ہے۔

زمرئی ربی در افتاد بہ ارباب سنن شیخ سنت مددے قاضی شوکاں مددے

تفسیر کبیر میں سورۂ انعام کی آیت وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ کے تحت میں لکھا ہے وثالثھم الانبیاء وھم الذین اعطاھم اللہ تعالیٰ من العلوم و المعارف مالاجلہ یقدرون علی التصرف فی بواطن الخلق وارواحھم تیز اعطاھم من القدرۃ والمکنۃ مالاجلہ یقدرون علی التصرف فی ظواھر الخلق یعنی سوم ان میں سے انبیاء علیہم السلام ہیں، اور یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس قدر علوم و معارف عطا فرمائے ہیں جن سے وہ مخلوقات کے دلوں اور روحوں پہ تصرف کرنے کی قدرت رکھتے ہیں نیز اللہ تعالیٰ نے انہیں اس قدر قدرت اور طاقت دی ہے جس سے مخلوق کے ظواہر پر بھی تصرف کر سکتے ہیں۔

مشکوٰۃ شریف میں ربیعہ بن کعب اسلمی سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے مجھ سے فرمایا سَلْ فقلت اسئلک مرافقتک فی الجنۃ قال او غیر ذلک قلت ھو ذاک قال فاعنی علی نفسک بکثرۃ السجود یعنی کچھ مانگو، پس میں نے کہا کہ میں جنت میں آپ کی ہمراہی طلب کرتا ہوں، آپ نے فرمایا کچھ اور بھی مانگتا ہے، میں نے

کہا بس یہی۔ آپ نے فرمایا کہ زیادہ نوافل سے میری مدد کر۔

اشعۃ اللمعات میں اس حدیث کے ماتحت شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ "واز اطلاق سوال کہ فرمود سل وتخصیص نہ کرد بمطلوب خاص معلوم می شود کہ کار ہمہ بدست ہمت وکرامت اوست ہرچہ خواہد ہر کرا خواہد باذن پروردگار خود بدہد" مانگ لو کہ کے سوال کو مطلق چھوڑنے اور کسی خاص مطلوب کی تخصیص نہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام کام آپ ہی کے کریمانہ دست ہمت میں ہیں، آپ جو کچھ جس کو چاہیں اپنے پروردگار کی اجازت سے دے دیں۔

## یا عباد اللہ اعینونی

حصن حصین میں ہے "وان اراد عونا فلیقل یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی" یعنی جب مدد لینی ہو تو کہے کہ اے خدا کے بندو میری مدد کرو۔ اے خدا کے بندو میری مدد کرو، اے خدا کے بندو میری مدد کرو۔

## شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا عقیدہ

شیخ عبدالحق صاحب اشعۃ اللمعات میں بحوالہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں "ہر کہ استمداد کردہ شود بوے در حیات استمداد کردہ می شود بوے بعد از وفات ویکے از مشائخ گفتہ دیدم چہار کس را از مشائخ کہ تصرف می کنند در قبور خود مانند تصرفہا ایشاں در حیات خود یا بیشتر۔ قومے می گویند کہ امداد حی قوی تر است ومن مے گویم کہ امداد میت قوی تر، واولیاء را دراکوان تصرف حاصل ہست، وآں نیست مگر ارواح ایشاں را دارواح باقی است" یعنی جس سے زندگی میں امداد طلب کی جا سکتی ہے اس سے بعد وفات بھی طلب کی جا سکتی ہے۔ مشائخ میں سے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے مشائخ میں سے چار آدمیوں کو دیکھا کہ وہ اپنی قبروں میں (بعد وفات) اس طرح تصرف کر رہے ہیں جس طرح زندگی میں کرتے تھے، یا اس سے بھی زیادہ۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ زندہ کی امداد بہت زیادہ ہے۔ لیکن میرا یہ خیال ہے کہ مردہ کی امداد بہ نسبت زندہ کے زیادہ قوی ہے، اور اولیاء کو اکوان

---

ے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال درست معلوم ہوتا ہے کیونکہ تصرف ارواح کو حاصل ہوتا ہے

(بقیہ ص ۱۰۴)

عالم میں تصرف حاصل ہے اور یہ تصرف ان کی روحوں کو حاصل ہے اور وہ باقی ہیں، (جسم کے ساتھ ان کو موت نہیں آئی)

---

(بقیہ صفحہ ۱۰۴) جو ارواح قید عناصر میں ہونے کی صورت میں قدرتِ تصرف حاصل کر لیتی ہیں، کوئی وجہ نہیں قید عناصر سے رہا ہونے پر ان کے تصرف میں اضافہ نہ ہو جائے۔ جیسے کوئی آدمی ہاتھ پاؤں بندھے ہونے کی حالت میں ایک کام کر لیتا ہے۔ تو کیا ہاتھ پاؤں کھلنے پر وہ اس سے مشکل کام کو بھی باحسن وجوہ نہ کر سکے گا، ضرور کرے گا۔ یہی حال ارواح کا ہے۔ کہ قیدِ عناصر سے آزاد ہو کر زیادہ طاقت حاصل کر لیتی ہیں۔

# تصرف و قدرت و ہمت

## انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام و اولیاء عظام پر عطائے الٰہی

اس مسئلہ کی تہ میں بھی حقیقت و مجاز کا فرق کارفرما ہے۔ ملاحظہ ہو، قولہٗ تعالیٰ اَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ (یعنی زراعت کرنے والے تم ہو یا ہم ہیں) اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ فاعل حقیقی وہی ذاتِ باری تعالیٰ ہے اور ہماری طرف افعال کی نسبتیں مجازی ہیں، جس طرح ہم کہتے ہیں کہ اس زمین کا مالک میں ہوں اور یہ گھر میرا ہے۔ یہ ملکیت ہماری محض مجازی اور اعتباری ہے، اگر ہم اس مجاز کو اڑا دیں اور میرا گھر کی بجائے خدا کا گھر کہیں تو لازم آئے گا کہ میرا بیٹا یا اس کا بیٹا کہنے کی بجائے خدا کا بیٹا اور میری بیوی کہنے کی بجائے خدا کی بیوی کہیں، یہ کسی طرح بھی جائز نہیں۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ، یہ آیت حقیقت پر محمول ہے اور آیات اثباتِ حکم لِغَیْرِ اللہِ مجاز پر محمول ہے جس طرح اس آیت میں اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا یعنی ہم نے داؤد علیہ السلام کو حکم اور علم دیا۔ یہاں حکم کی نسبت داؤد علیہ السلام سے حقیقی نہیں مجازی ہے۔

اب ہم آیاتِ قرآنی سے ثابت کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے انبیاء کرام و اولیائے عظام کو بھی دوسروں کی امداد کرنے کی طاقت عطا فرمائی ہے اور وہ مدد مانگنے والوں کی باذن اللہ تعالیٰ مدد کرتے ہیں۔

آیت ۱۔ وَانْصُرْنَا فَاِنَّكَ خَیْرُ النّٰصِرِیْنَ

(اور ہماری مدد کر کہ تو بہتر مددگاروں کا ہے)

آیت ۲۔ وَافْتَحْ لَنَا فَإِنَّكَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ ۔

(ہمیں فتح دے کہ تو بہتر فاتحین ہے)

آیت ۳۔ وَاغْفِرْ لَنَا فَإِنَّكَ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ ۔

(ہمیں معاف کر کہ تو معاف کرنے والوں کا بہتر ہے)

آیت ۴۔ وَارْزُقْنَا فَإِنَّكَ خَيْرُ الرَّازِقِيْنَ ۔

(ہمیں رزق دے کہ تو رزق دینے والوں میں سے بہتر رزق دینے والا ہے)

آیت ۵۔ وَاحْفِظْنَا فَإِنَّكَ خَيْرُ الْحَافِظِيْنَ ۔

(ہماری حفاظت کر کہ تو حفاظت کرنیوالوں میں سے بہتر حفاظت کرنیوالا ہے)

آیاتِ مذکورہ میں خدا تعالیٰ کے علاوہ بزرگانِ دین کا دوسروں کی مدد کرنا انہیں فتح دینا بخشش کرنا، رزق دنیا اور حفاظت کرنا ثابت ہے۔ مگر مذکورہ اوصاف کا موصوفِ حقیقی خدا تعالیٰ ہے اور دوسروں کے لئے یہ اوصاف بعطائے الٰہی ثابت ہیں جو مجازی ہیں۔

آیت ۶۔ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّیْ اُوْفِی الْکَیْلَ وَاَنَا خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ۔

(کیا دیکھتے نہیں کہ میں پورا وزن دیتا ہوں اور اچھا مہمان نوازہ ہوں۔) یہاں اگر لفظِ خیر میں حقیقت و مجاز کے فرق کو ملحوظ نہ رکھا جائے تو حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام صفتِ خیریت میں خدا تعالیٰ سے برابری کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں حالانکہ امرِ واقع اس کے خلاف ہے نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو میرے لئے اپنی زبان اور شرمگاہ کا ضامن ہو جائے میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں۔ یہاں آپ کا ضامن ہونا بعطائے قدرتِ الٰہی ہے اگر اس سے بھی انکار کیا جائے جیسا کہ اکثر علماء وہابیہ و دیوبندیہ کی کتب میں مذکور ہے تو اس پر کفر لازم آتا ہے۔

آیت ۷۔ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۔

(اور جب کہ تو مٹی سے مثل صورت پرند کے بناتا تھا میری اجازت سے۔ پس اس

اس میں تو پھونکتا تو وہ میرے حکم سے پرند ہو جاتا (ایسے ہی) مادر زاد اندھے اور برص والے کو میرے حکم سے تو اچھا کرتا تھا اور میرے حکم سے مُردوں کو زندہ نکالتا تھا)۔

آیت مذکورہ میں چار باتیں مذکور ہوئی ہیں

۱۔ جانوروں کا پیدا کرنا۔

۲۔ نابیناؤں کو بینا کرنا۔

۳۔ کوڑھی کو اچھا کرنا۔

۴۔ مردوں کو زندہ کرنا۔

یہ سب صفتیں حق تبارک و تعالیٰ کی ہیں جن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی متصف تھے اسی مضمون کی آیت سورۂ آلِ عمران میں ہے اِنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّیْۤ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْــٴَـةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ وَ اُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِیْ بُیُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۚ ان دونوں آیتوں سے انبیاء اولیاء کے تصرف و قدرت کے منکروں کی خود بخود بیخ کنی ہو جاتی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ رُوح پھونکنا، مادر زاد اندھوں اور کوڑھوں کو اچھا کرنا، مُردوں کو زندہ کرنا اور آیتوں میں دیگر بیان کردہ باتوں کو جاننا صرف خدا ہی کی صفتیں ہیں لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے وقوع کو اپنی طرف منسوب فرما رہے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ کام باذن و عطائے الٰہی وقوع پذیر ہوئے۔ اور حضرت کی طرف ان کاموں کی نسبت محض مجازی ہے حقیقی بالکل نہیں لیکن جو اصحاب باذن و عطائے الٰہی بھی تصرف و قدرت کو غیر اللہ کے لئے نہیں مانتا۔ ان کے حق میں اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ کتاب مجید کے بعض حصوں پر تو ایمان لاتے ہیں اور بعض سے انکار کرتے ہیں اور دوسروں کی نکتہ چینی کرتے ہوئے خود جرم و عصیاں کے تاریک گڑھوں میں جا پڑتے ہیں۔ اگر تصرف و قدرت مجازی طور پر بھی ماسوا اللہ کے لئے درست نہ ہوتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان لوگوں کو جو حاجت براری اور مشکل کشائی کے واسطے دُور دراز

کی مسافت طے کرکے ان کے پاس آتے تھے، ضرور یہ فرما دیتے کہ حاضر ناظر خدا کو چھوڑ کر میرے پاس کیوں آئے۔ گھر میں بیٹھ کر ہی اپنا کام کر لیا ہوتا لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔ انبیاء علیہم السلام شرک و کفر کو مٹانے کے لئے آتے ہیں نہ کہ پھیلانے کے لئے۔ اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ بزرگانِ دین کو تصرف و قدرت و ہمت بعطائے الٰہی حاصل ہے اور ان کے پاس حاجات روائی کے لئے جانا جائز ہے، اس کا انکار قرآن پاک کا انکار ہے۔

آیت ۸۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ۔

(اور اگر تحقیق منافق راضی ہوتے اس چیز سے کہ دی ہے ان کو اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے اور کہتے کہ کافی ہے ہم کو اللہ اور قریب ہے کہ اللہ دیگا ہم کو اپنے فضل سے اور دیگا پیغمبر اس کا تحقیق ہم کو طرف اللہ کی رغبت کرنیوالے ہیں)

آیت ۹۔ وَمَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۔

(اور نہیں دشمنی کی منافقوں نے پیغمبر سے مگر اس واسطے کہ دولت مند کر دیا انکو اللہ نے اور پیغمبر اس کے نے اپنے فضل و کرم سے)

ان دونوں آیتوں میں حق تبارک و تعالیٰ کا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا دوسروں کو غنی کرنا، مراد دینا اور کافی ہونا مذکور ہے۔ یہ تصرف و قدرت کی انتہا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے لئے قرآن پاک سے ثابت ہوتی ہے۔ بخاری شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا کی گئیں، یہ ظاہر ہے کہ مالک وہی ہوتا ہے جس کے پاس کنجی ہو۔ اس لئے آپ زمین کے خزانوں کے مالک ٹھہرے۔ مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ آپ نے ربیعہ انصاری کو فرمایا کہ مجھ سے جو کچھ مانگنا ہے مانگو (کَمَا ذُکِرَ فِیْ مَسْئَلَۃِ عِلْمِ غَیْب)

## حضرت سلیمان ؑ کے دربار میں ایک مکالمہ

آیت ۱۰۔ قَالَ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ۔ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ۔ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا

عِنْدَہٗ قَالَ ھٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ لِیَبْلُوَنِیْٓ ءَاَشْکُرُ اَمْ اَکْفُرُ ؕ وَمَنْ شَکَرَ فَاِنَّمَا یَشْکُرُ لِنَفْسِہٖ وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ رَبِّیْ غَنِیٌّ کَرِیْمٌ ؕ

حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ اے سردار، وہ کون ہے تم میں ایسا جو لائے میرے پاس بلقیس کا تخت پہلے اس سے کہ آوے میرے پاس بلقیس حکم بردار ہو کر الخ یعنی اس کے آنے سے پہلے میرے پاس تخت آنا چاہیئے تاکہ اس کی صورت بدل ڈالیں، پھر بلقیس کی عقل کا امتحان لیں، کہ وہ اس تخت کو پہچانتی ہے یا نہیں! جواب میں ایک زبردست دیو نے کہا، کہ میں اس تخت کو آپ کے پاس آپ کے اپنی جگہ سے اٹھنے سے پہلے لے آؤنگا، حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا، کہ میں اس سے بھی جلدی چاہتا ہوں، تو اس کے جواب میں حضرت آصف برخیا کہنے لگے کہ میں آنکھ جھپکنے سے پہلے وہ تخت لادونگا، آپ کے پاس علم کتاب تھا، یا آپ کو اسم اعظم یاد تھا، اس بنا پر آپ نے تخت کو طرفۃ العین میں لانے کا دعویٰ کیا اور اسے سچ کر دکھایا، حضرت سلیمان علیہ السلام نے وہ تخت اپنی آنکھوں کے سامنے پڑا دیکھا تو یہ کہا کہ یہ بزرگی میرے رب کے فضل سے ہے الخ

اس آیت سے حضرت آصف برخیا کی قدرت و تصرف کا پتہ چلتا ہے جو بنی اسرائیل میں سے ایک ولی تھے، جب ایک ولی کا یہ حال ہے تو ایک جلیل القدر نبی کا کیا مرتبہ ہوگا، فافہم، تقریر بالا پر قیاس کرتے ہوئے اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غرق شدہ کشتی نکال دی تو کیا تعجب ہے۔

## حضرت جبرائیلؑ بیٹا دیتے ہیں

آیت ۱۱۔ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ لِاَھَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا ؕ (میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔ یہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کا حضرت مریم علیہا السلام سے خطاب ہے حضرت جبرائیلؑ خدا تعالیٰ کی طرف سے بنا بنایا بیٹا لے کر نہیں آئے تھے بلکہ انہوں نے آستین میں پھونک لگائی تو حضرت مریم علیہا السلام حاملہ ہو گئیں اور حضرت عیسیٰؑ مقررہ میعاد کے بعد پیدا ہوئے کیا یہ تصرف نہیں؟

## اللہ اور اُس کا رسولؐ مدد فرماتے ہیں

آیت ۱۲ . اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رَاکِعُوْنَ ۔ (تمہارا دوست و مددگار نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ اور پیغمبر اُس کا، اور جو کوئی ایمان لائے ہیں، جو کہ قائم کرتے ہیں نماز کو اور دیتے ہیں زکوٰۃ، اور وہ رکوع کرنے والے ہیں) اس طرح کی اور بھی کئی آیتیں ہیں جن سے انبیاء اور اولیاء کا دوسروں کے لئے دوست اور مددگار ہونا ثابت ہوتا ہے۔

## شاہ اسماعیل دہلوی بزرگانِ دین کے تصرف کے قائل تھے

فَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْرًا کے تحت میں تفسیر بیضاوی میں مذکور ہے کہ نفوس زکیہ یعنی اولیاء اللہ ملائکہ ملاء الاعلیٰ کی طرح سارے جہان میں لوگوں کی حاجت روائی اور مشکل کشائی فرماتے ہیں، مولوی اسماعیل صاحب دہلوی نے اپنی کتاب منصب امامت میں لکھا ہے۔

• بعضے ازیں بزرگواراں بنا برا صلاح مطلق بنی آدم مامور اند، اختصاص بہ قومے از اقوام یا بہ بلدے از بلدان نمی دارند، مثل خضر علیہ السلام وابدال و اوتاد و افراد و بعضے دیگر بہ قوم خاص یا بہ بلدِ خاص یا بہ عسکرِ خاص اختصاص میدارند نجباء و رقباء و ایشاں را از اہلِ خدمات مے گویند، پس قومِ اوّل نائبان ملاء الاعلیٰ اند، و قومِ ثانی نائبانِ مدبرات الامر وچنانکہ گاہے درباب ادعیہ عالیہ ومتعالیہ مقربین اختلاف واقع مے شود، کہ یکے عروج قومے میخواہد و دیگرے عروج قومے دیگر و یکے چیزے را ترجیح میدہد و دیگرے چیزے دیگر را و ایناں را اختصام ملاء الاعلیٰ میگویند قال اللہ تبارک وتعالیٰ حکایۃً عن رسولہ وما کان لی من علم بالملاء الاعلیٰ اذ یختصمون و باز حق جل جلالہ وبحکمت بالغہ خود امر مناسب را کہ مصلحت باشد اجراء مے نماید،

ترجمہ (پس جس طور پہ کہ اللہ کے فرشتے دو قسم کے ہیں۔ ملاء اعلیٰ و مدبرات امر، ملاء اعلیٰ کا یہ حال ہے کہ ان کی شان اطلاقی ہے یعنی کسی قوم خاص یا شہر خاص کی اصلاح میں خصوصیت نہیں رکھتے بلکہ ان کی نظر تمام عالم کی اصلاح اور تمام بنی آدم کی

کی خدمت کی طرف متوجہ ہے اور مدبرات امر کی یہ شان ہے کہ ان میں سے ہر ایک کسی معین اور مخصوص کارخانہ پہ موکل اور متعین ہے اور ان کی ہمت اسی مخصوص کاروبار کی اصلاح میں مصروف ہے۔ کوئی کارخانہ امر پہ موکل ہے تو کوئی ارحام میں صورت گری پر معین ہے کوئی بنی آدم کی حفاظت پر متعین ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ کاموں پہ موکل کر رکھا ہے۔ اسی طرح بزرگانِ دین میں سے بعض بنی آدم کے حالِ مطلق کی اصلاح کے واسطے مامور ہیں۔ کسی شہر میں یا قوم کے ساتھ خصوصیت نہیں رکھتے۔ مثل خضر علیہ السلام و ابدال و اوتاد و افراد اور بعض کسی قومِ خاص، شہرِ خاص یا لشکرِ خاص کے ساتھ اختصاص رکھتے ہیں مثلاً اقطاب و نجبا و اوتاد اور ان کو اہلِ خدمت کہتے ہیں۔ پس قومِ اول نائبان ملاء اعلیٰ ہیں اور قوم ثانی مدبرات امر ہیں۔ جس طرح کبھی ملائکہ مقربین کی دعائے عالیہ ومتعالیہ کے بارہ میں اختلاف واقع ہوتا ہے کہ ایک فرشتہ ایک قوم کا عروج چاہتا ہے اور دوسرا دوسری قوم کی ترقی چاہتا ہے اور ایک ایک چیز کو ترجیح دیتا ہے اور دوسرا دوسری چیز کا غلبہ چاہتا ہے۔ اس کو اختصام ملاء اعلیٰ کہتے ہیں، چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حکایتہً اپنے رسولؐ کی طرف سے فرمایا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ مجھ کو معلوم نہیں جب ملاء اعلیٰ جھگڑتے تھے اور پھر حق جل وعلیٰ اپنی حکمتِ بالغہ سے کسی امر کو جو مناسب مصلحت ہوتا ہے۔ جاری کرتا ہے۔

عبارت مذکورہ سے چند امور ثابت ہوئے۔ اوّل تمام جہان پر نظر کرنا، دوسرا تمام جہان کی اصلاح، تیسرا تمام بنی آدم کی خدمت کرنا۔ یعنی ان کی حاجات روائی کرنا، اور چہارم بلاوں برسانا اور رحموں میں شکلیں بنانا وغیرہ ذالک، یہ سب صفتیں خاصہ باری تعالیٰ ہیں کما قولہ تعالیٰ هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَآءُ پس مافی الارحام کا علم ان کو دیا جو خدا تعالیٰ کے پانچ علوم میں سے ہے کیونکہ رحم میں جب مولود کے جسم میں جان پڑتی ہے تو فرشتہ اسی وقت اس کی عمر سعادت رزق اور شقاوت کے متعلق سب کچھ لکھ لیتا ہے، اور تمام جہان میں نظر اور اس کی اصلاح کرنا کس قدر علوِ ہمت اور تصرف ہے۔

## خواجہ باقی باللہ کا ایک دلچسپ واقعہ

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر فتح العزیز میں اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ؕ کے شانِ نزول میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ العزیز کی توجہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں، ایک روز آپ کے مکان پر کچھ مہمان آگئے اور اس روز آپ کے ہاں کوئی چیز کھانے پینے کی قسم سے موجود نہ تھی، لہٰذا انہیں بہت تشویش ہوئی اور اس کے متعلق تردد کرنے لگے بلکہ نانبائی کی دکان آپ کے مکان سے متصل تھی۔ وہ اس وقت کی خبر پا کر روٹیوں کا بھرا ہوا ایک مکلف اور مرغن نان خورش کے ساتھ آپ کے سامنے لایا، آپ یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ مانگ کیا مانگتا ہے، اس نے عرض کی کہ مجھ کو اپنی مانند کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ تو اس بات کا متحمل نہیں ہو سکے گا۔ کوئی اور چیز مانگ لے مگر وہ اپنی دھن کا پکا پہلے مطالبے پر اڑا رہا اور خواجہ صاحب انکار کرتے رہے، آخر کار آپ اس کے اصرار اور عاجزی سے مجبور ہو کر آپ اسے اپنے حجرے میں لے گئے اور نگاہِ تاثیر اتحادی اس پر کی، جب حجرے سے باہر نکلے، تو خواجہ صاحب اور نانبائی کی صورت میں ہرگز فرق نہ رہا تھا اور ان کی آپس میں پہچان مشکل تھی، فرق صرف یہ تھا کہ خواجہ صاحب ہوشیار تھے اور نانبائی بے ہوش، القصہ نانبائی نے تین روز کے بعد اسی سکر اور بے ہوشی کی حالت میں وفات پائی، دیکھو خدائے تعالیٰ نے اولیاء اللہ کو کس قدر تصرف کی طاقت عنایت فرمائی ہے کہ دوسرے کو اپنا ہم شکل ہم جسم اور ہم لباس بنا دیتے ہیں۔

مولوی اسماعیل صاحب کے پیر و مرشد کو حضرت غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ اور خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ دونوں نے فیضِ قادری و نقشبندی بخشا، اور اس سے ثابت ہوا کہ اولیاء اللہ کی قوتِ روحانی وفات کے بعد اور بھی بڑھ جاتی ہے کیونکہ ان بزرگوں نے کہاں سے کہاں تک اپنا فیض اپنی توجہ سے پہنچا دیا، مولوی اسماعیل صاحب مقتول دہلوی ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ مثل چیلہ خاص کے ہوتے ہیں۔ تمام خلقت سے برگزیدہ خدا تعالیٰ کی سلطنت میں تصرف کرنے والے۔ ان کے لئے یہ کہنا درست اور جائز ہے، کہ عرش سے فرش تک ہماری سلطنت ہے، یعنی جیسے خدا کا ملک ہے ویسے ہی وہ ہمارا ملک ہے۔ اور نسبت مساوی ہے، نیز مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ بزرگوار [illegible]

رہے ہیں، نیز یہ بزرگ لوحِ محفوظ کا مطالعہ کرتے ہیں اور جو کچھ زمانۂ مستقبل میں ہونا ہوتا ہے وہ سب کچھ دیکھ لیتے ہیں، لوگوں کی مشکلات حل کرتے ہیں۔ اسی عبارت کی موجودگی میں دیوبندیوں کا تصرف و قدرت اولیاء سے انکار محض جہالت اور ضد ہے جو حقیقت کے خلاف ہے۔ مؤلف عقائد اہلِ حدیث مُقر ہے کہ مؤمنین اہلِ برزخ و عالمِ شہادت برابر ہیں۔

## عُلمائے اہلسنت کا عقیدۂ تصرف

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی مشکوٰۃ باب زیارت القبور میں اہلِ برزخ کا تصرف کیسے ثابت فرماتے ہیں۔ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی قدس سرہٗ العزیز اپنی تفسیر مظہری میں تحت آیت وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُعْطِيْ لِاَرْوَاحِهِمْ قُوَّةَ الْاَجْسَادِ فيذهبون من الارض والسماء والجنة حيث يشاءون وينصرون اولياءهم ويدمرون اعداءهم ان شاء الله تعالىٰ الخ۔ (یعنی تحقیق اللہ تعالیٰ ان کے روحوں کو قوت جسمانی بخشتا ہے، پس وہ زمین آسمان جنت میں اور جہاں چاہیں جاتے ہیں اپنے دوستوں کی مدد فرماتے ہیں اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور ان کی زندگی ایسی زندگی ہے کہ ان کے جسموں اور کفنوں کو زمین نہیں کھاتی۔ علماء کی ایک جماعت اس طرف ہے کہ یہ زندگی شہداء سے خاص کی گئی ہے اور میرے نزدیک حق یہ ہے کہ یہ خصوصیت صرف شہداء کی نہیں۔ بلکہ انبیاء علیہم السلام کی زندگی شہداء سے زیادہ قوی تر ہے اور ظاہر ہیں ان کے آثار اس کے مؤید ہیں، یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے ساتھ آپ کی وفات کے بعد نکاح جائز نہ ہوا بخلاف شہداء اور صدیق کے۔ کیونکہ انبیاء درجہ میں شہداء سے برتر ہیں اور صالحین یعنی اولیاء اللہ برحق ہیں جیسا کہ خدا تعالیٰ کے اس قول سے مدلول ہے مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۔ اور اسی لئے صوفیاء کرام نے فرمایا، کہ ہماری روحیں جسم ہیں اور ہمارے جسم روحیں ہیں اور بہت سے اولیاء اللہ سے متواتر خبر ہے کہ وہ اپنے دوستوں کی مدد فرماتے ہیں، اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں اور مخلوق کو حق تبارک و تعالیٰ کی طرف ہدایت فرماتے ہیں حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا "کہ کمالاتِ اربابِ نبوت بالوراثت ہیں، اور میں کہتا ہوں کہ وہ حضرات صدیق اور صلحاء ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ایسا وجود عطا کیا جاتا ہے جو بعد موت بھی زندگی کا حامل ہو جس پہ یہ حدیث دلالت کرتی ہے ان اجساد الانبیاء والشہداء وبعض الصلحاء لا یاکلھا الارض الخ یعنی انبیا علیہم السلام شہداء اور بعض صالحین کے جسم کو زمین نہیں کھاتی کیونکہ زمین پہ خدا تعالیٰ نے انکا کھانا حرام کر دیا ہے" اور وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ شہداء کے مزارات شریفہ میں سے خوش الحانی کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے کی آواز سنی گئی اور جب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اس راستہ سے نہر کھدوائی تو فرمایا کہ جس جس کے شہید یہاں مدفون ہیں، اُٹھالیں، پھر جب اُن شہداء کے جسم دیکھے گئے تو ویسے ہی زندوں کی طرح نظر آئے، جسم پہ انگشت رکھنے سے خون بدن اِدہر اُدھر ہو جاتا" اور کفن بھی ویسے ہی نئے معلوم ہوتے، جسموں سے کستوری کی خوشبو آتی تھی حالانکہ ان کی شہادت کو چھیالیس برس ہو گئے تھے۔ امام بغوی نے عبیدؓ بن عمیر سے روایت کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم غزوہ احد سے واپسی پر مصعبؓ بن عمیر کے مزارِ مقدس کے پاس سے گذرے پھر آپ وہاں ٹھہر گئے اور ان کے لیے دعا فرمائی اور آیت پڑھی من المومنین رجالٌ صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ پھر آپ نے فرمایا، کہ یہ لوگ شہداء ہیں تم ان کے پاس آؤ، ان کی زیارت کرو، اور انہیں سلام کرو مجھے قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے جو کوئی انہیں سلام کرے گا وہ اس کا جواب دیں گے، قیامت تک ایسا ہی رہے گا" اور ایک حدیث میں یہ الفاظ زائد ہیں۔ ثُمَّ قَالَ لَقَدْ رَأَیْتُکَ بِمَکَّۃَ وَمَا بِہَا اَرَقَّ حُلَّۃً وَلَا اَحْسَنَ لِمَّۃً مِنْکَ یعنی میں نے تم کو مکہ میں دیکھا" اور اں حالیکہ دروازہ اس کا شفاف اور مزین تھا" اور نہیں دیکھا، میں نے تجھ سے بہتر کانوں کے نیچے لٹکے ہوئے بالوں والا" اور فی سبیل اللہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ لفظ جہاد یعنی لڑائی کرنا عام ہے اور اس میں وہ شخص بھی شامل ہے جو امورِ خیر میں سعی بلیغ کرتا ہوا فوت ہوا۔ اگرچہ لفظ قتل اس پہ عائد نہیں ہوتا، لیکن وہ دلالتاً اس میں داخل ہے بطریق اولیٰ یا بالمساوات یا بالقیاس، کیونکہ اپنے نفس کے ساتھ لڑائی کرنا جہادِ اکبر ہے جو جہادِ اصغر سے دشوار اور سخت تر کام ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جہادِ اکبر کرنے والے اولیاء بھی مرتبے میں شہداء کے برابر ہیں اور اپنے دوستوں کی امداد کرتے ہیں اور دشمنوں کو ہلاک کرتے

ہیں، حاجت مندوں کی حاجت روائی اور مشکل کشائی فرماتے ہیں۔

## حضرت شاہ ولی اللہؒ دہلوی کا نظریہ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ، کے ترجمے میں فرماتے ہیں"

"و آنانکہ جائے دادند و تصرف کردند ایں بعضے ایشاں کارسازِ بعض اند"

اس سے ایک دوسرے کا کام بنانا، کارسازی کرنا، نصرت و مدد کرنا دوا ثابت ہوا۔ طبرانی نے کبیر میں اور ابن مندر اور ابن عساکر نے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ آپ دونوں شہزادوں (امام حسنؓ اور امام حسینؓ) کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور التجا کی کہ آپ انہیں کچھ عطا فرما دیں، آپ نے فرمایا کہ حسن رضی اللہ عنہ کے لئے تو میری ہیبت اور سرداری ہے اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے لئے جرأت و کرم یہ عطائیں ایسی تھیں جو بظاہر ہاتھ میں نظر تو نہیں آتیں، مگر فی الحقیقت انہیں ہوئیں اور آپؐ معطی ثابت ہوئے۔

## حضورؐ کے اسماءِ گرامی میں تصرف

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعدد اسماء گرامی ہیں اور ہر اسم سے آپؐ کا کوئی نہ کوئی تصرف ہی ثابت ہوتا ہے۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور مسند امام احمد میں سیدنا عباس رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کی کہ حضورؐ نے اپنے چچا ابو طالب کو کیا نفع دیا۔ خدا کی قسم آپ کی حمایت کرتا اور آپؐ اور آپؐ کے لئے لوگوں سے لڑتا جھگڑتا تھا۔ فرمایا وَجَدْتُہٗ فِیْ غَمَرَاتٍ مِّنَ النَّارِ فَاَخْرَجْتُہٗ اِلٰی ضَحْضَاحٍ یعنی میں نے اس کو سراپا آگ میں ڈوبا ہوا پایا تو اسے کھینچ کر پاؤں تک کی آگ میں کر دیا۔ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دوزخ میں نظر فرمانا اور اس کی کما حقہٗ مدد فرمانا، کتنا بڑا تصرف ہے، اور اسی مضمون کی حدیث بزاز و ابو یعلیٰ اور ابن عدی نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے مروی ہے۔

**حضورؐ کی دعا سے قبریں روشن ہوگئیں** ایک اور حدیث ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ یہ قبریں اپنے ساکنوں پر اندھیرے سے بھری ہیں اور بے شک میں اپنی دعا سے روشن کر دیتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مسیلمہ کذاب کے ذکر میں فرمایا کہ خوش ہوا کہ وہ نکلا اور میں تم میں تشریف فرما ہوا تو اللہ اور اس کا رسولؐ تمہارے لئے کافی ہے، حدیث کے اصل الفاظ یہ ہیں،

ابشروا فان یخرج وانا بین اظھرکم فاللہ کافیکم ورسولہ' یہاں سخت ترین اعدا کے مقابلے میں اللہ اور رسُول کو کفایت فرمانے والا بتایا گیا ہے؛

ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام سے اپیل کی، کہ اپنے مال کا کچھ حصہ راہِ حق میں دیں۔ جملہ صحابہ کرام اپنی اپنی استطاعت و ہمت کے مطابق کچھ مال لے آئے لیکن حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گھر سے جو چھوٹی بڑی چیز لے آئے۔ حضورؐ نے پوچھا کہ اہلِ خانہ کے لئے بھی کچھ چھوڑا یا نہیں، تو آپ نے جواباً عرض کیا، کہ خدا اور اس کے رسولؐ کو گھر چھوڑ آیا ہوں۔ علامہ اقبالؒ نے اس مضمون کو اپنے الفاظ میں یوں ادا کیا ہے۔

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیقؓ کے لئے ہے خدا کا رسُولؐ بس

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا، کہ مجھے اپنے گھر والوں میں سب سے زیادہ عزیزہ ہے جسے اللہ نے اور مَیں نے نعمت دی (رواہ ترمذی) اس میں آپ نے اپنی ذات کو منعم قرار دیا یہ حدیث مضمون میں اس آیت سے موافق ہے۔

انعم اللہ علیہ وانعمت علیہ (انعام کیا اُس پہ اللہ تعالےٰ نے اور انعام کیا اس پر آپ نے)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ جسے ہم نے کسی کام پر مقرر کیا پس ہم نے اسے رزق دیا (رواہ ابوداؤد) حاکم ایسا اس آیت کے مطابق ہے، کما قولہ تعالیٰ ان اغناھم اللہ و رسولہ من فضلہ نیز فرمایا اَللّٰھُمَّ اللہُ وَرَسُوْلُہٗ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) فرماتے ہیں، بیشک تشریف لایا تمہارے پاس وہ رسولؐ جو ضعف و کاہلی سے پاک ہے تاکہ وہ

غلاف چڑھے ہوئے دلوں کو زندہ کر دے۔ اور اندھی آنکھوں کو کھول دے۔ بہرے کان کو شنوا کر دے اور ٹیڑھی زبانوں کو سیدھا کر دے حتیٰ کہ لوگ کہہ دیں کہ ایک خدا کے سوا کسی کی پرستش درست نہیں (رواہ داری) اس میں آپ کا سمیع، بصیر، حی اور ہادی ہونا ثابت ہے قرآن مجید میں ہے فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا :-

طبرانی معجم کبیر میں بہ سندِ حسن سیدنا جابر عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے مروی ہے۔ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمَرَ الشَّمْسَ فَتَاَخَّرَتْ سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ یعنی سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آفتاب کو حکم دیا کہ کچھ دیر تک چلنے سے باز رہے وہ ٹھہر گیا، نیز چاند کو انگلی کے اشارے سے دو ٹکڑے کر دیا۔ اس سے آپ کا آسمان پر بھی تصرف ثابت ہوتا ہے اور یہ کیوں نہ ہو جبکہ خدائے تعالیٰ جل شانہ، آپ کو یوں خطاب کرتا ہے کلھم یطلبون رضائی وانا اطلب رضائک قرآن مجید میں ہے وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى نیز فرمایا فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا وغیرہ ذالک۔

## حضرت موسیٰؑ بوڑھی عورت کو جنت دیتے ہیں

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو دریا کے عبور کرنے کا حکم ہوا تو آپ دریا کے کنارے پہنچے مگر سواری کے جانوروں کے منہ اللہ تعالیٰ نے پھیر دیئے کہ خود بخود لوٹ آئے۔ موسیٰؑ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی کہ ایسا کیوں ہوا، خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ تم یوسف علیہ السلام کی قبر کے پاس ہو ان کا جسدِ مبارک بھی ساتھ لے لو۔ موسیٰؑ کو قبر کا پتہ نہ تھا۔ اس لئے پوچھنے لگے۔ ایک بوڑھی عورت کو پتہ معلوم تھا لیکن وہ کہنے لگی لَا وَاللّٰهِ حَتّٰى تُعْطِيَنِي مَا اَسْئَلُكَ - یعنی خدا کی قسم میں نہ بتاؤں گی جب تک آپ مجھے جو کچھ میں مانگوں عطا نہ فرمائیں۔ آپ نے فرمایا۔ ذَالِكَ لَكِ یعنی تیری عرض قبول ہوئی۔ پھر عورت نے کہا فَاِنِّیْ اسئلك عن اكون معك فی الدرجة التی تكون فيها فی الجنة یعنی میں حضور سے سوال کرتی ہوں کہ جنت میں میں اس درجہ میں جاؤں جس میں آپ ہوں گے آپ نے فرمایا، جنت مانگ لے تیرے لئے یہی کافی ہے لیکن عورت پہلی بات پہ اصرار کرتی اور آپ بھی اس میں ردو بدل کی تکرار میں مصروف رہے کہ اتنے میں حکمِ الٰہی نازل ہوا۔ اعطها

ذٰلك فانهٗ لن ينقصك شيئًا یعنی اسے وہی عطا کر دو، جو کچھ مانگتی ہے۔ اس میں تمہارا کچھ نقصان نہیں، اس پہ موسیٰ علیہ السّلام نے اس کو جنت میں اپنی رفاقت عطا فرما دی، پھر اس نے یوسف علیہ السّلام کی قبر بتا دی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس بوڑھی عورت نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو کارخانۂ الٰہی کا مختار تسلیم کر کے جنت میں اعلیٰ درجہ طلب کیا۔ اگر یہ شرک تھا تو آپ نے باوجود جلالت وہیبت کے اُسے کیوں نہ روکا۔ ایسا ہی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے متعلق اعتقاد تھا لیکن افسوس کہ وہابیوں کا خیال ہے کہ جب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اپنی صاحبزادی کو دوزخ سے نہیں بچا سکتے تو اَوروں کو کیا بچا سکیں گے، یہ بہت بڑی گمراہی ہے، ان لوگوں کو قیامت کے دن شیطان بھی رُوکھا جواب دیگا اور یہ سَر پہ ہاتھ رکھ کر چلائیں گے۔

ما ز یاراں چشمِ یاری داشتیم　　خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

## جو کچھ مانگو دُونگا

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ہوازن کی غنیمتیں حنین میں تقسیم فرما رہے تھے ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آپ نے مجھ سے کچھ وعدہ فرمایا تھا، ارشاد ہوا صدقت فاحتکم ما شئت یعنی تُو نے سچ کہا جو جی میں آئے مانگو..... عرض کی، اسّی دنبے اور ان کو چرانے والا غلام عطا ہو، آپ نے ایسے ہی کیا اور فرمایا ولصاحبۃ موسیٰ التی دلتہ علی عظام یوسف کانت اخرم منك حین حکمھا موسیٰ فقالت حکمی ان تردنی شابۃ وادخل معك الجنۃ یعنی بیشک موسیٰؑ والی وہ صاحبہ جس نے انہیں یوسفؑ کا تابوت بتایا تھا، تجھ سے زیادہ دانشمند تھی جبکہ اسے موسیٰؑ نے اختیار دیا تھا کہ جو چاہے مانگ لے۔ اس نے کہا میں قطعی طور پہ یہی مانگتی ہوں کہ آپ میری جوانی واپس فرما دیں، اور میں آپ کے ساتھ جنت میں جاؤں چنانچہ ویسا ہی ہوا، جیسا کہ وہ چاہتی تھی، حاکم نے کہا کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ اس حالت میں منکرین تصرف کی ناک کٹ گئی کیونکہ موسیٰؑ علیہ السّلام نے اس عورت کی جوانی لوٹا دی۔

## حضرت آدمؑ نے حضرت داؤدؑ کو اپنی عمر عطا کی

ایک طویل حدیث میں ترمذی اور حاکم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور

ابوداؤد طیالسی وامام احمد وابن سعد وطبرانی بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت داؤد علیہ السلام کو اپنی عمر سے چالیس سال عمر عطا کی اور امام طحاوی کے آثار میں ہے، حدثنا ابن مرزوق حدثنا ازھر السمان عن ابن عون عن محمد قال قال عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لنا رقاب الارض یعنی حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ زمین کے مالک ہم ہیں، نیز لکھا ہے، بعث النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الی عثمانؓ یستعینہ فی جیش العسرۃ فبعث الیہ عثمانؓ بعشرۃ آلاف دینار الخ یعنی جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غزوہ تبوک کے لئے لشکر کو تیاری کا حکم دیا تو اس وقت مسلمان تنگی اور عسرت کی حالت میں تھے لہٰذا حضور اقدس صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس باب میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استعانت فرمائی۔ حضرت ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دس ہزار اشرفیاں حاضر کیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے عثمانؓ اللہ تعالیٰ تیری ظاہر اور باطن سب خطائیں آج سب سے کہ قیامت تک جو کچھ کہ تجھ سے واقع ہوں، معاف فرمائیے، روایت کیا اس کو ابن عدی اور دارقطنی اور ابونعیم نے فضائل صحابہ میں حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے، یہاں وہابی غیر خدا سے استعانت کو شرک تو نہیں سمجھیں گے اور اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن کے بارے میں کیا کہیں گے، اسی طرح ایک مصری کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پناہ مانگنا اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت عمرؓ سے استغاثہ کرنا مذکور ہے اور علامہ ابن حاج اپنی کتاب مدخل جلد اول مطبوعہ مصر کے صفحہ ۱۲۹ میں وَلَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیاتِ رَبِّہِ الْکُبْریٰ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں، قال علماءنا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیھم رای صورۃ علیہ الصلوٰۃ والسلام فاذا ھو عروس المملکۃ فمن توسل بہ او استغاث بہ او طلب حوائجہ منہ فلا یرد ولا یخیب یعنی ہمارے علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ آپ نے اپنے آپ کو عروس مملکت کے ملبوس میں مشاہدہ فرمایا پس جو شخص آپ کے ساتھ توسل یا استغاثہ کرے گا، یا اپنی حوائج آپ سے طلب کریگا وہ بلا شبہ کامیاب ہوگا۔

# تصرفِ انبیاء پر منکرین کے اعتراضات اور اُن کے جوابات

آیت نمبر ۱۔ قل لا املک لنفسی نفعاً و لا ضراً الا ما شآء اللہ۔ یعنی تو کہہ دے کہ میں مالک نہیں، اپنی جان کے بھلے کا، اور نہ برائی کا، آیت مذکورہ میں نفی ملکِ حقیقی کی ہے، نہ کہ ملکِ مجازی کی، نیز آیت میں تخیز نفی ملکیت سے اثبات بحرفِ الاّ (لفظ استثناء) موجود ہے یعنی الاّ ما شاء اللہ، کیونکہ اگر نفی ملکِ مجازی کی ہوتی تو حضرت موسیٰ علیہ السّلام لا املک لنفسی و اخی نہ فرماتے یعنی اپنے نفس اور اپنے بھائی کی نفس کی ملکیت کا دعویٰ نہ کرتے، اس آیت کو نفی تصرّف کے ثبوت میں پیش کرنا نری جہالت ہے۔

آیت نمبر ۲۔ إن الحکم الا للّٰہ یقص الحق وھو خیر الفاصلین۔
ہمارا بھی یہی ایمان ہے کہ حاکمِ حقیقی خدا تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں، مگر حکامِ مجازی سے انکار کرنا حاکمِ حقیقی کا انکار ہے، کیونکہ حاکمِ مجازی کا وجود اسی وقت متصور ہوتا ہے جبکہ حاکمِ حقیقی کا وجود کلیۃً ثابت ہو، حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کائنات کے لئے خدائے تعالےٰ کے خلیفۂ اعظم ہیں، اور دیگر خلفائے راشدین آپؐ کے خلفاء تھے، تو کیا آپ کو حاکم تسلیم نہ کیا جائے یا آپ کے حاکم تسلیم کرنے سے خدا تعالیٰ کے حکم کی نفی ہوتی ہے۔ حاشا و کلاّ ایسا ہرگز نہیں، یہ محض منکرین کا دجل اور فریب ہے، جو محض بداعتقادی کی بناء پہ ہے۔

آیت نمبر ۳۔ لیس لک من الامر شیئٌ او یتوب علیھم او یعذبھم فانھم ظلمون۔
آیت مذکورہ بھی اپنی حقیقت پہ محمول ہے، ورنہ امرائے مجازی سے انکار لازم آئے گا۔ بقیہ مضمون قولہٗ تعالیٰ ھٰذا عطاؤنا فامنن او امسک بغیر حساب کی تفسیر ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے مختار فی الامور ہونے کے باب میں آئے گا۔

آیت نمبر ۴۔ ان یّمسسک اللّٰہ بضرٍّ فلا کاشف لہٗ الّا ھُوَ وان یمسسک بخیرٍ فھو علیٰ کلّ شیئٍ قدیر۔ ہمارا بھی ایمان ہے کہ حقیقی کاشف الضر بجز ذاتِ باری کے اور کوئی نہیں، ورنہ ہزارہا چیزیں ضرر رساں اور نفع بخش موجود ہیں اور ہم ہر روز کہتے رہتے ہیں کہ ہمیں فلاں چیز یا فلاں آدمی سے نفع یا نقصان حاصل ہوا، اشخاص یا اشیاء کا نافع یا مضر

ہونا امر الٰہی سے ہے، حقیقی طور پہ نفع و نقصان کی مالک وہی ذات باری تعالیٰ ہے جس کے ہاتھ میں سب طرح کی طاقتیں ہیں، اور منکرین مجازی نافع و مضر چیزوں کا انکار کر کے ذاتِ حقیقی کا انکار کر رہے ہیں، کیونکہ جو آدمی سُورج کو نہ مانے اور اس کی شعاعوں یا خاصیتوں مثلاً حرارت اور روشنی کا انکار کرے، وہ دراصل سُورج کا ہی منکر ہے۔

آیت نمبر ۵۔ ومن یرد اللّٰہ فتنتہٗ فلن تملک لہٗ من اللّٰہِ شیئًا۔

اس آیت میں بھی لا املک لنفسی نفعًا کی طرح ملکِ حقیقی کی نفی ہے۔ ملکِ مجازی کی نہیں۔

آیت نمبر ۶۔ ان تحرص علیٰ ھُداھُمْ فان اللّٰہ لا یھدی من یضل وما لھم من نَاصِرِیْن۔ یعنی اگر آپ ان کی ہدایت پہ زیادہ حرص کریں پس اللہ تعالیٰ جسے گمراہ کرے، ہدایت نہیں کرتا، اور ان کے لئے کوئی مدد کنندہ نہیں ہے۔

آیت مذکورہ میں نفی ہدایتِ حقیقی کی ہے ورنہ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رہنمائے امت اور ہادی ہونے میں کسے شبہ ہو سکتا ہے، قرآن مجید میں ہے، انک لتھدی الی صراطٍ مُستَقِیْمٍ، پس اگر یہاں حقیقت و مجاز کے فرق کو مدِ نظر نہ رکھا جائے تو یؤمنون ببعض الکتٰبِ ویکفرون ببعض کا مصداق ہونا پڑے گا۔

آیت نمبر ۷۔ مالھم من دونہٖ من ولی ولا یشرک فی حُکمِہٖ احدًا۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ان کا کوئی مددگار نہیں اور نہ ہی وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے۔ اس آیت میں کفار کا ذکر ہے کہ ان کا کوئی ولی یعنی مددگار نہیں۔ اور ولایتِ غیر اللہ مجازاً مسئلہ تصرف میں واضح ہو چکی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود فرماتے ہیں کہ جس کا کوئی نہیں اس کا میں ولی ہوں۔

آیت نمبر ۸۔ قل انی لا املک لکم ضرًا ولا رشدًا۔ آپ کہہ دیں کہ میں تمہاری رشد و ضلالت کا مالک نہیں ہوں، اس آیت کا مطلب بھی وہی ہے جو ملکِ حقیقی و مجازی میں اوپر گذر چکا۔ جن آیات کے مصداق کفار اور ان کے بُت ہیں۔ ان کو اولیاء اللہ اور انبیاء پہ چسپاں کرنا۔ منکرین مکذبین کا ہی کام ہے۔ امام الوہابیہ مولوی اسماعیل مقتول دہلوی

اپنی تالیف "تقویۃ الایمان" میں جس کی تصدیق مولوی رشید احمد گنگوہی نے کی ہے، لکھتے ہیں

"پھر خواہ یوں سمجھئے کہ ان کاموں کی طاقت ان کو خود بخود ہے خواہ یوں سمجھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ویسی قدرت بخشی ہے، ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے" ۱۱

نظر بریں عبارت قرآن شریف نعوذ باللہ شرک سے بھرا پڑا ہے، وہابیوں کو ایسی شرک آموز کتاب سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ مولوی محمد لکھوی اور ان کے چیلے چانٹے بھی مولوی اسماعیل صاحب کی تقلید میں بیابانِ ضلالت وجہالت میں سرگرداں ہیں۔ ان کا یہ قول کہ خدا تعالیٰ کے عطا کرنے سے انبیاء و اولیاء کے لئے قدرت و تصرف ثابت کرنا شرک ہے صریح آیاتِ قرآنی اور احادیث نبویہ کے خلاف ہے، وہ آیات و احادیث جن سے تصرف و قدرت باعطائے الٰہی ثابت ہے، اوپر مذکور ہو چکیں، ان کو پڑھیئے اور منکرین کے اعتقاد کا پول ملاحظہ کیجیئے۔

اب ہم منکرین پہ اتمام حجت کے لئے مؤلف عقائد

## مولوی وحید الزماں کی شہادت

اہلِ حدیث رئیس غیر مقلدین مولوی وحید الزمان کی کتاب ہدیۃ المہدی جلد اوّل سے کچھ عبارات نقل کرتے ہیں جو اس نے محمد بن عبدالوہاب نجدی اور مولوی اسماعیل دہلوی کی عبارات کا خلاصہ نقل کرتے ہوئے جواب میں لکھی ہے۔

اما لو فعل ھذہ الافعال بل اشد منھا کالسجدۃ والرکوع والطواف لا بطریق العبودیۃ لہ سے لے کر و نحو ھذا من الاسنادات کثیر فی الکلام اللہ ورسولہٖ تک تمام عبارت کا ماحصل یہ ہے، اگر کوئی ان افعال میں سے کوئی فعل کرے، بلکہ ان سے سخت افعال مثلاً" سجدہ، رکوع اور طواف کا مرتکب موجوبہ طریق عبادت نہ ہوں، اور ماسوا اللہ کو فاعل مختار اور قادر بالاستقلال خیال نہ کرے بلکہ اس کا اعتقاد یہ ہے کہ اس چیز یا شخص کو اعطائے الٰہی کے بغیر ذاتی اور مستقل طور پہ کسی امر عظیم یا یسیر پہ تصرف و قدرت حاصل نہیں، اور خدا کی طرف سے اس کو اس کام کے کرنے کا حکم ہوا ہے، اور اس کا یہ تصرف بھی منجانب الٰہی ہے۔

نیز یہ کہ خدا نے اس کام کے لینے کا ارادہ اس سے کیا ہے۔ اور مرتکب کا قصد ان افعال سے شعائر الٰہیہ کی تعظیم و تحیت ہے، اور یہ تعظیم و تحیت خواہ خدا تعالیٰ کی اعلیٰ نشانیوں کے سے ہو یا عباد مقربین صالحین کے لئے۔ اس حالت میں مرتکب افعال کو شرک کا مجرم نہیں کہا جائے گا۔

بوجہ اس نیت کے جو اس کے اور خدا کے درمیان ہے کیونکہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب ومن یعظم حرمات اللہ فھو خیر لہ عند ربہ

اور کیا تو نہیں دیکھتا کہ جب حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ کیا تو آپ نے اسے تجدید ایمان کا حکم نہ فرمایا بلکہ آپ نے صرف منع تک اختصار فرمایا اور ایک روایت میں وارد ہے کہ جنتی لوگ انہیں اپنے گھروں کو قائم رکھنے کے لئے سجدہ کرینگے (یعنی بطورِ شکرانہ نعمت) اس حدیث کو ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نکالا، ہم کعبہ کی تعظیم کرتے ہیں، حجر اسود کو چومتے ہیں صفا و مروہ کی تعظیم کرتے ہیں پھر ہم ان افعال کو شرک سمجھنے کی بجائے الٹا ثواب کی توقع رکھتے ہیں کیا تو نہیں دیکھتا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے احی الموتی باذن اللہ فرمایا یعنی میں خدا کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتا ہوں، صفتِ احیار کو جو صرف باری تعالیٰ سے مخصوص ہے۔ اپنی طرف منسوب فرمایا لیکن باوجود اسکے وہ شرک و کفر کے مرتکب نہیں ہوئے نیز خدا تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، لتخرج النّاس من الظّلمٰت الی النور باذن ربّھم نیز فرمایا یخرجھم من الظلمٰت الی النور باذنہ یعنی تو آدمیوں کو ان کے رب کے اذن سے اندھیرے سے روشنی کی طرف نکالتا ہے۔ اندھیرے سے روشنی کی طرف لے جانا بھی صرف خدا ہی کا وصف ہے لیکن یہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب ہو رہا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حکم ہوا۔ اخرج قومک من الظّلمٰت الی النور یعنی اپنی قوم کو اندھیرے سے روشنی کی طرف لے جا، اور خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے نے مریم علیہا السلام کو کہا لاھب لک غلامًا زکیًا یعنی میں اس لئے آیا ہوں تاکہ تجھے پاکیزہ بیٹا بخش جاؤں۔ تمام دنیا جانتی ہے کہ اولاد بخشنا صرف خدا تعالیٰ کا کام ہے مگر یہاں جبرائیل علیہ السلام اسے اپنی ذات کی طرف منسوب فرما رہے ہیں چونکہ ان کا کہنا اور بیٹا عطا کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے اس لئے یہ کفر و شرک میں شامل نہیں۔ قرآن مجید میں ہے وما نقموا الا ان اغناھم اللہ ورسولہ من فضلہ۔

پس صفتِ اغنا کو جو صرف اللہ تعالیٰ سے مخصوص ہے اُسے اللہ نے آنحضرت صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم سے بھی منسوب فرما دیا۔ ان نسبتوں کی طرح خدا اور اس کے رسول کے کلام میں اور بھی کئی نسبتیں ہیں یعنی قرآن و حدیث میں اس قسم کی کئی عبارتیں ہیں۔

**فیصلہ آپ کریں** عقائد اہلِ حدیث کے مؤلف نے قرآن و حدیث سے بعطائے الٰہی غیر اللہ کے لئے قدرت و تصرف ثابت ہونا تسلیم کیا۔ اہلِ سنت والجماعت کا بھی یہی عقیدہ ہے لیکن وہ بھی غیر اللہ کے لئے قدرت و تصرف کو بالذات نہیں مانتے۔ بعطائے الٰہی ہی تسلیم کرتے ہیں۔ مقربانِ الٰہی کے کام ہمیشہ رضائے الٰہی کے تابع ہوتے ہیں اس لئے انہیں ایسا کہنے اور کرنے کی اجازت ہوتی ہے اور ہر وقت اذن لینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے تو کشتی توڑتے وقت فرمایا اَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَهَا یعنی میں نے ارادہ کیا کہ اس کشتی کو عیب دار کر دوں اس جگہ آپ نے اپنی ذات سے خدا کی صفت ارادت کو منسوب کر لیا۔ یہ کام اور اقوال محض مجازی طور پہ دوسروں کی طرف منسوب ہوتے ہیں حقیقت میں ان کا تعلق ذاتِ الٰہی سے ہی ہوتا ہے تقویۃ الایمان میں لکھا ہے کہ خدا کو ہی مان اور کسی کو نہیں اوروں کو ماننا محض خبط ہے۔ آیاتِ قرآنی کو لکھ کر ان کے ضمن میں ایسے خانہ ساز فائدے لکھ دیئے جنہیں قرآن مجید سے کچھ تعلق نہیں بلکہ خلاف ہیں۔ قرآن پاک میں ہے کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ نیز قولہ تعالیٰ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ۔ ارشادِ باری تعالیٰ کے مطابق مسلمان اس کے علاوہ ملائکہ، کتبِ سماوی، انبیائے کرام اور روزِ قیامت کو بھی مانتے ہیں، اور یہ بات ان کے ایمان میں داخل ہے مگر وہابیوں کے خیال میں سوائے خدا دوسروں کو ماننا خبط ہے گویا ان کے زعم فاسد میں قرآن مجید میں شرک کی تعلیم ہے (نعوذ باللہ من ذالک) اچھا ہے، کہ انہوں نے اس کتاب کو چھوڑ دیا اور اس کی بجائے تقویۃ الایمان سے تمسک کر لیا۔ اسی طرح تخفیف کرتے کرتے کوئی دن آتا ہے کہ انہیں خدا کو بھی ماننے کی ضرورت نہ رہے گی۔ صراطِ مستقیم میں مرشد کے متعلق لکھا ہے۔

"ازاں جملہ شدتِ تعلقِ قلب است بمرشدِ خود استقلالاً یعنی نہ بہ آن ملاحظہ کہ ایں شخص ناودانِ فیضِ حضرتِ حق و واسطۂ ہدایتِ اوست بلکہ بحیثیت کہ متعلق ہماں میگردد، چنانکہ یکے از اکابرِ ایں طریق فرمودہ کہ اگر حق جل و علا در کسوتِ مرشد من تجلی فرماید مرا ابیبہ

مرا با والتفات در کار نیست" الخ۔

اس کا ترجمہ بھی غیر مقلد کا کیا ہوا نقل کیا جاتا ہے، منجملہ آثار حب عشقیہ کے اپنے مرشد کے ساتھ دل کا تعلق شدید ہو جاتا ہے یعنی نہ اس لحاظ سے کہ یہ شخص حضرت حق سبحانہ، وتعالیٰ کے فیض کا ذریعہ ہے اور اس کی ہدایت کا واسطہ ہے بلکہ اس حیثیت سے کہ خود مرشد ہی سے عشق کا تعلق ہو جاتا ہے چنانچہ اس طریق کے بزرگوں میں سے ایک شخص کا مقولہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ میرے مرشد کی صورت کے سوا کسی اور لباس میں تجلی فرمائے، تو البتہ میں اس کی طرف بھی التفات تک نہ کروں گا یعنی مرشد کی حضوری میں التفات تک نہ کرنا کہاں اور انبیاء و اولیاء کو بھی نہ ماننا کہاں ببیں تفاوتِ راہ از کجا است تا بکجا —— نیز اسی صراط مستقیم میں ہے کہ خدا تعالیٰ کے محبوب چیلہ خاص کی مانند مالک کے ملک میں تصرف و اختیار رکھتے ہیں اور مثل ملائکہ بزرگوار کے کاموں کی تدبیر کرتے ہیں۔ کلام کا یہ تضاد اسماعیل دہلوی کے کلام میں ہی پایا جاتا ہے، خدا تعالیٰ کے کلام میں ایسا متصور نہیں نیز اس نے لکھا ہے کہ ہر طالب کے نفس کامل کو جذب رحمانی کی موجیں دریائے احدیت میں کھینچے جاتی ہیں۔ اس امر کے ثبوت میں اس نے آگ اور لوہے کی مثال بیان کی ہے جب طالب دریائے احدیت کی موجوں میں غوطہ زن ہوتا ہے تو صدائے، انا الحق ولیس فی جُبّتی سوای اللہ اس سے صادر ہوتی ہیں۔

اور یہ حدیث قدسی بھی اسی امر کی طرف اشارہ کر رہی ہے، مسمعہ

## ایک حدیثِ قدسی

اللہ الّذی یسمع بہ و بصرہ الّذی یبصر بہ ویدہ الّذی یبطش بھا ورجلہ الّتی یمشی بھا۔

ایک روایت میں اسی حال کی حکایت ہے وہ یوں ہے: خبردار اس معاملہ پر تعجب و انکار نہ کرنا کیونکہ جب وادیٔ مقدس کی آگ سے ندائے انی انا اللہ رب العٰلمین سرزد ہوئی۔ تو پھر اشرف الموجودات سے جو حضرت ذات سبحانہ، وتعالیٰ کا نمونہ ہے۔ انا الحق کی آواز آئے تو کوئی تعجب کا مقام نہیں اور عجیب عجیب خوارق کا صدور اور قوی تاثیرات کا ظہور دعاؤں کی قبولیت اور آفات و بلیات کا دفعیہ اسی تمام کے لوازمات میں سے ہے اور اسی معنی کی تصریح اس حدیث قدسی میں بھی موجود ہے۔

لئن سالنی لاعطینه ولئن استعاذنی لاعیذنه۔ یعنی اگر وہ بندہ مجھ سے کچھ مانگے تو میں ضرور اسے دونگا۔ اگر مجھ سے پناہ مانگے تو ضرور اسے پناہ دوں گا' اور اسی کے لوازمات میں سے یہ بھی ہے، کہ صاحب حال کے دشمنوں پر اور بداندیشوں پر وبال و مصیبت کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں چنانچہ حدیث قدسی میں ہے، من عادلی لی ولیًّا فقد اذنتہ بالحرب۔

## کسی نبی یا ولی کو دُور و نزدیک سے بخطاب حاضر پکارنا

کسی نبی یا ولی کو دُور سے پکارنا جائز ہے، اہل سنت والجماعت کے نزدیک یہ پکار انہیں مظاہر عون الٰہی سمجھنے کی صورت میں ہوگی، اگر بغرض عبادت کسی نبی یا ولی کو پکارا جائے، تو پکارنے والا مشرک ہو جائیگا، کیونکہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی پرستش جائز نہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔ لا تشرکوا بعدی پس عرب ملائکہ کی اور بتوں کی پرستش کرتے تھے، یا یہود و نصاریٰ حضرت عزیر و عیسیٰ علیہما السلام کو خدا تعالیٰ کا بیٹا کہتے تھے، اور ان کے متعلق غلط اعتقاد رکھتے تھے۔

دعا کا لفظ اپنی مختلف حالتوں میں کئی معنی میں مستعمل ہے، جہاں یہ لفظ بہ معنی عبادت استعمال ہوا ہے وہاں خدا کی عبادت کے سوا کسی اور کی عبادت کو جائز سمجھنا شرک ہے، اور جہاں یہ لفظ پکارنے کے معنی میں آیا ہے، وہاں اس کا مفعول غیر اللہ بھی ہو، تو اس میں کوئی قباحت لازم نہیں آتی، ہم ذیل میں چند آیات نقل کرتے ہیں جن میں یہ لفظ پکارنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

(۱) یاایھا الذین آمنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم۔
(اے وہ کوئی کہ ایمان لائے ہو تم قبول کرو تم خاص اللہ کے حکم کو اور پیغمبر کے حکم کو جس وقت بلا دے تم کو پیغمبر طرف اس چیز کے کہ زندہ کرتی ہے تم کو یعنی علم دین کا، کہ سبب زندگی دل کی اس سے ہے، یا عقائد صحیح اور اعمال نیک کہ حیات ابدی کو پہچانتے ہیں بہشت میں یا جہاد ہے کہ سبب زندگی اور بقا کا ہے کہ نہ لیں تو دشمن غالب ہو کر ہلاک کرے (موضح القرآن)

(۲) قالت ان ابی یدعوک لیجزیک اجر ما سقیت لنا۔

(کہا اس لڑکی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہ باپ میرا بلاتا ہے تجھ کو تاکہ بدلے دے تجھے عوض اس کے جو پانی پلایا تو نے ہماری دُنبیوں کو (موضح القرآن)

(۳) ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖ مِّنَ الْاَرْضِ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ۔

(پس جس وقت بلائے تم کو اسرافیل ساتھ نفخہ اخیر کے حق بلانے کا یعنی آواز دے کہ مردو باہر آؤ زمین سے اس وقت تم باہر آؤ قبروں اپنی سے اور وہ باہر آنا قبروں سے اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے)۔

(۴) وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ

(اور پکارا ہم نے کہ اے ابراہیم)۔

اسی قسم کی کئی آیات اور بھی قرآن مجید میں موجود ہیں، جن میں ندا اور دعا کے الفاظ پکارنا کے معنی میں آئے ہیں لیکن ان میں پکارنا کے معنی عبادت نہیں۔ ہاں جہاں مخاطب بت ہوں وہاں یہ لفظ پرستش کے مفہوم میں ہوگا کیونکہ کفار بتوں کے پرستار ہوتے ہیں مگر کوئی مسلمان کسی نبی یا ولی کی عبادت نہیں کرتا، اور نہ بت سازی اس کا وتیرہ ہے تو ایسی صورت میں خواہ مخواہ اس کی طرف یہ الزام تھوپنا ہے کہ تم بتوں کی پوجا کرتے ہو یہ الزام محض جہالت کی بنا پر ہے۔

ان آیات میں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ غیراللہ کو پکارنا جبکہ پکارنے والے کا مقصد عبادت نہ ہو، ناجائز نہیں، ہم روزمرہ کے کاروبار میں باہمی امداد واستمداد کے لئے ایک دوسرے سے خطاب کرتے رہتے ہیں، اور یہ خطاب باوجود غیراللہ کی طرف ہونے کے شرک انگیز نہیں سمجھا جاتا، تو کوئی وجہ نہیں کہ نبی اور ولی کو مخاطب کرنا شرک سمجھا جائے، درانحالیکہ ان کا تصرف و اعانت روحانی زندوں سے بھی بدرجہا زیادہ ثابت ہو۔ تصرف کے متعلق گذشتہ باب میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور اسی کے متعلقہ مسائل میں آئندہ ابواب میں بھی بہ تفصیل بحث کی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہاں صرف ہم خطاب کا جواب ہی کریں گے؟

قرآن مجید میں آپ کو متعدد مقامات پر مختلف القاب سے بصیغہ خطاب پکارنا ثابت ہے مثلاً "یا ایھا النبی، یا ایھا الرسول، یا ایھا المزمل، یا ایھا المدثر وغیرہ

ان آیات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ مقدس سے بہ صیغۂ حاضر باری تعالیٰ نے خطاب کیا ہے، اور یہ خطاب قیامت تک قائم ہے۔ کروڑوں مسلمان جو قرآن مجید کی ہر روز تلاوت کرتے ہیں۔ ان الفاظ کو دہرا کر اپنے ایمانوں کو تازہ کرتے ہیں اور کام و دہن کو پاک کرتے ہیں۔

اگر اس پکار سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پرستش کا ذرا بھی شائبہ ہوتا تو اس کی صاف تصریح کی جاتی، اور ممانعت فرمائی جاتی، مگر اللہ تعالیٰ نے اسی پر اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ مومنین کو حکم دیا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عزت و عظمت سے پکارا کریں۔ عوام کی طرح آپ کا نام نہ لیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے، لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۔

ابولیث نے اپنی تفسیر میں اس آیت کے ضمن میں لکھا ہے کہ اس آیت میں معلم الخیر کی توقیر کا بیان ہے اور یہ ممکن نہیں کہ معلم شر (شیطان) دنیا میں ابد تک موجود رہے لیکن معلمِ خیر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وجود کو فنا کی نذر تسلیم کر لیا جائے۔ کیا نبی نوعِ انسان کے ساتھ خدا تعالیٰ کی (نعوذ باللہ) یہ ناانصافی نہیں؟

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی ایسی نہیں جسے فنا کا ہاتھ ابدی نیند سلا دے، بلکہ آپ کی زندگی ایسی اکمل اور مکمل ہے کہ اس نے فنا کو بھی بحکم الٰہی زندگی بخش رکھی ہے۔

ایک حدیث میں جسے نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، طبرانی، حاکم اور بیہقی نے سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روائیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک نابینا کو دعا تعلیم فرمانا مذکور ہے۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے حسن غریب صحیح اور طبرانی و بیہقی نے صحیح اور حاکم نے بہ شرط بخاری و مسلم صحیح کہا، امام حافظ الحدیث زکی الدین عبدالعظیم منذری وغیرہ ائمہ نقد و تنقیح نے اس کی تصحیح کو مسلم و برقرار رکھا۔

آپ نے نابینا کو حکم دیا، کہ نماز پڑھنے کے بعد یوں دعا مانگے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِمُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ، يَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ هٰذِهٖ لِيَقْضِیَ لِیْ اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیَّ یعنی یاالٰہی میں تجھ سے مانگتا اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں، بوسیلہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو نبی الرحمتہ ہیں، یا رسول اللہ میں آپ کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف اس حاجت میں توجہ

کرتا ہوں، تاکہ میری حاجت روائی ہو۔ الٰہی انہیں میرا شفیع بنا اور ان کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔

اس حدیث مقدس میں ندا کے علاوہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے استعانت والتجا کا ثبوت بھی ملتا ہے، حصن حصین شریف میں لِتَقْضِیَ لِیْ بصیغہ معروف بھی مذکور ہے۔ یعنی یارسول اللہ آپ میری حاجت روا فرمائیں ——— حضرت ملّا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری حرز ثمین شرح حصن حصین میں فرماتے ہیں

"و فی نسخۃ بصیغۃ الفاعل ای لتقضی الحاجۃ لی والمعنی تکون سببًا لحصول حاجتی و وصول مرادی فالاسناد مجازی"، اس دعا میں حیات و وفات قرب و بُعد یا غیب و حضور کا امتیاز نہیں کیونکہ منشاءِ تعلیم یہ نہ تھا، کہ نماز پڑھ کر دعا کا ایک حصہ تو خدائے عزّوجل کے حضور میں عرض کرتا اور دوسرا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رُو برُو آکر، اور دُعا میں اخفا سُنّت ہے۔ پھر اس صورت میں غیب و حضور کا فرق بھی اُٹھ جاتا ہے۔

حضرت عثمان بن حنیف نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے زمانہ خلافت میں ایک اور شخص کو بھی تعلیم فرمائی۔ معجم کبیر امام طبرانی میں یہ حدیث یوں ہے کہ ایک شخص حضرت امیرالمومنین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں اپنی کسی حاجت کے سلسلہ میں حاضر ہوا، لیکن آپ نے اس کی طرف التفات نہ فرمایا۔ اس نے حضرت عثمان بن حنیف سے یہ واقعہ بیان کیا، تو آپ نے فرمایا۔

## نبیٔ رحمت کے وسیلہ میں

ایت المیضاۃ فتوضأ ثم ائت المسجد فصل فیہ رکعتین ثم قل اللّٰھم انی اسئلک واتوجہ الیک نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی الرحمۃ یا محمد انی اتوجہ بک الی ربی فیقضی حاجتی وتذکر حاجتک ورح الی حتی اروح معک۔ یعنی وضو کی جگہ جا کر وضو کرو، پھر مسجد میں دو رکعت نماز ادا کرو، پھر یوں دعا کرو، کہ الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف اپنے نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے متوجہ ہوتا ہوں، یارسول اللہ

میں حضور کی وساطت سے اپنے رب کی طرف متوجہ کرتا ہوں کہ میری حاجت روا فرمائیے' اور اپنی حاجت کا ذکر کرو' شام کو پھر پاس آنا کہ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں' مرد حاجت مند نے ایسا ہی کیا' پھر امیر المومنین کے دروازے پر پہنچا' دربان آیا' اور ہاتھ پکڑ کر جناب امیر المومنین کے حضور لے گیا' امیر المومنین نے اپنے ساتھ مسند پر بٹھایا اور اس کی حاجت روائی فرمائی الخ اب یہ شخص امیر المومنین سے رخصت ہو کر حضرت عثمان بن حنیف کے پاس آیا' اور کہا کہ خدا آپ کو جزائے خیر دے۔ امیر المومنین میری بات کی طرف غور نہیں فرماتے تھے آپ نے میری سفارش کی تو آپ نے التفات فرمایا۔ حضرت عثمان بن حنیف نے جواب میں کہا' کہ خدا کی قسم میں نے تو تمہارے بارے امیر المومنین سے کچھ بھی نہیں کہا' مگر یہ ہے کہ میں نے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا' کہ آپ کی خدمت اقدس میں ایک نابینا آیا' اور اپنی نابینائی کی شکایت کی' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مقام وضو پر جاکر وضو کرکے دو رکعت نماز ادا کر اور یہ پڑھ۔ حضرت عثمان بن حنیف فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم کہ ہم اٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ وہ اندھا بینا ہو کر آیا' گویا اس کو کوئی عارضہ لاحق ہی نہ تھا' امام طبرانی اس حدیث کی متعدد اسناد نقل کرکے فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

مسئلہ استمداد میں ایک حدیث گزر چکی ہے۔ مقام کی مناسبت کے لحاظ سے ہم اسے یہاں بھی نقل کرتے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ وَاِذَا اَضَلَّ اَحَدُکُمْ شَیْئًا وَّ اَرَادَ عَوْنًا وَّھُوَ بِاَرْضٍ لَیْسَ بِھَا انیس فلیقل یا عباد اللّٰہِ اَعِیْنُوْنِیْ یَا عِبَادَ اللّٰہِ اَعِیْنُوْنِیْ یَا عِبَادَ اللّٰہِ اَعِیْنُوْنِیْ فان للّٰہ عبادًا لا یراھم یعنی جب تم میں سے کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے اور وہ مدد چاہے مگر وہ ایسی جگہ ہو جہاں کوئی ہمدم نہیں تو اسے کہنا چاہئے کہ اے اللہ کے بندو میری مدد کرو' اے اللہ کے بندو میری مدد کرو' اے اللہ کے بندو میری مدد کرو اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ہیں جن کو یہ نہیں دیکھتا' وہ اس کی مدد کریں گے۔

## روضۂ اطہر پر حاضری کیوقت دعا

عالمگیری کتاب الحج وآداب زیارت قبر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ضمن میں ہے ثُمَّ یَقُوْلُ السَّلَامُ علیک یا نبی اللّٰہ اشھد انک رسول اللّٰہ یعنی زائر آپ

سے مخاطب ہو کر یہ کہے کہ اے نبی اللہ آپ پر سلام ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں ۔

پھر اُدھر سے فارغ ہو کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں خطاب کرے ۔

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَلِيفَةَ رَسُولِ اللهِ ، السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا صَاحِبَ رَسُولِ اللهِ فِي الْغَارِ (سلام ہو آپ پر اے رسولِ خدا کے جانشین ۔ سلام ہو آپ پر اے غارِ ثور میں رسول اللہ کے ساتھی ۔

پھر کہے السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ ، السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُظْهِرَ الْإِسْلَامِ ۔ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُكَسِّرَ الْأَصْنَامِ یعنی سلام ہو آپ پر اے امیر المومنین (حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سلام ہو آپ پر اے اسلام کے ظاہر کرنے والے ۔ سلام ہو آپ پر اے بتوں کے توڑنے والے ۔

## حضرت امامِ اعظم کی التجا

حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شعر ہے ۔

يَا سَيِّدَ السَّادَاتِ جِئْتُكَ قَاصِدًا ۔۔۔ أَرْجُوا رِضَاكَ وَاحْتَمِي بِحِمَاكَ

یعنی اے سرداروں کے سردار میں دلی ارادت سے آپ کے حضور میں آیا ، اور آپ کی رضا کا متوقع ہوں اور اپنے آپ کو آپ کی پناہ میں دیتا ہوں ۔

قصیدہ بردہ شریف میں ہے ۔

يَا أَكْرَمَ الْخَلْقِ مَا لِي مَنْ أَلُوذُ بِهِ ۔۔۔ سِوَاكَ عِنْدَ حُلُولِ الْحَادِثِ الْعَمِمِ

## حضرت امام زین العابدینؓ کی فریاد

[illegible] الْعَالَمِينَ أَدْرِكْ لِزَيْنِ الْعَابِدِينَ ۔۔۔ مَحْبُوسِ أَيْدِي الظَّالِمِينَ فِي مَوْكِبِ الْمُزْدَحَمِ

([illegible] زین العابدین کی امداد کو پہنچو ، کیونکہ وہ دشمنوں ، ظالموں کے ہاتھوں میں قید ہے)

حافظ عبد الحلیم صاحب قدس سرہٗ العزیز اپنی تصنیف وسائل البرکات میں ارقام فرماتے ہیں ۔

السلام علیک منی والصلوٰۃ یا رسول — لیس لی حسن العمل کیف النجاۃ رسول

ما اقول کیف حالی حیث لا یخفی علیک — انت تعلم ما مضیٰ وما سیاتی یا رسول

انت موج اول الامواج فی بحر القدم — لیس ممکن کا منا ت یا رسول

انت خیر الخلق خیر الانبیاء خیر الرسل — مصدر الخیرات محمود الصفات یا رسول

انت جواد کریم نحن قوم السائلن — من نصاب الفضل شیئاً فی الذکوٰۃ یا رسول

ان فی هجرک عذاباً فی عذاب لا یطاق — ان فی وصلک حیاتاً فی حیاۃ یا رسول

انت کنزاً مخفیاً فی کنت کنزاً مخفیاً — اختفار النخل فی عین النواۃ یا رسول

سلم اللہ علی روحک وصلی دائماً — کل ساعات النہار واللیالی یا رسول

(یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ پر میری طرف سے صلوٰۃ وسلام ہو، میرے پاس نجات کی کیا صورت ہے جبکہ میرے پاس کوئی نیک عمل نہیں، میں کیا عرض کروں کہ میرا حال کیسا ہے جبکہ آپ پر مخفی نہیں۔ آپ ماضی ومستقبل کے واقعات سے آگاہ ہیں، آپ بحر قدم کی موجوں میں سے پہلی موج ہیں۔ آپ کی نظیر کائنات میں ممکن نہیں۔ آپ جملہ مخلوقات، انبیاء اور رسل سے افضل ہیں۔ آپ مصدر خیرات ہیں اور صفات محمود سے متصف ہیں۔ آپ جواد ہیں، کریم ہیں، اور ہم سب سائل ہیں، اپنے متاع فضل وکرم سے ہمیں بھی کچھ عنایت کریں۔ آپ کے ہجر وفراق کے صدمات ناقابل برداشت ہیں، اور آپ کے وصل میں حیات در حیات ہے آپ کنت کنزاً مخفیاً میں سے ایک خزانہ ہیں، جس طرح کہ کھجور کا درخت اپنی گٹھلی میں پوشیدہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ آپکی روح اقدس پر ہر وقت صلوٰۃ وسلام بھیجے اور دن رات کی تمام ساعات میں اپنی خاص برکات نازل کرے۔)

## بعد از وفات امداد

گذشتہ احادیث اور اکابر امت کے مندرجہ بالا اشعار سے ندا بعد الممات بھی ثابت ہوگئی۔ انبیاء علیہم السلام کی زندگی اولیاء وشہداء سے زیادہ اکمل ہے اس لئے وہ دوستوں کی امداد اور دشمنوں کی ہلاکت پر بہ حکم الٰہی قدرت رکھتے ہیں اور بعد وفات وہ امداد پر اس سے بھی زیادہ قادر ہیں جیسا کہ وہ ظاہر زندگی کی حالت میں تھے۔ زندگی بعد الوفات سے وہ زندگی عبارت ہے جس کے باعث عالم ممکنات میں

آدمی کی قوت متصرفہ بدرجہا زیادہ ہو جاتی ہے۔ صرف ارواح کا زندہ رہنا مراد نہیں کیونکہ یہ رتبہ تو کفار کو بھی حاصل ہے۔ کما قال اللہ تعالٰے النار یعرضون علیہا غدوا وعشیا ویوم تقوم الساعۃ ادخلوا اٰل فرعون اشد العذاب۔ آگ ہے جو دکھلائی جاتی ہے فرعون کی قوم کو صبح وشام کے وقت ہمیشہ، اور جب قیامت قائم ہوگی تو فرشتے کہیں گے، کہ ان کو خدا تعالے کے حکم سے کہ اندر جاؤ فرعون کے لوگو بہت بڑے عذاب میں یعنی اب تک تو تھوڑا عذاب تھا تم پرکہ دیکھتے تھے آگ کو، اب بڑا عذاب ہے کہ آگ کے اندر جاؤگے، اور ہمیشہ اس میں رہوگے (موضح القرآن)

یہاں آل فرعون کی ارواح کا زندہ ہونا اور آگ کا مشاہدہ کرنا صاف ثابت ہے اور مؤمنین کاملین کے متعلق صاف ارشاد ہے بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔ ان دلائل کی موجودگی میں اللہ تعالٰی کے خاص بندوں کو محض جمادات کی طرح بے حس وحرکت اور بے مصرف سمجھنا نادانی ہے، نیز جن، شیطان، بھوت اور پری وغیرہ کو انبیاء واولیاء کی سلک میں پرونا سخت بے ایمانی ہے، ان سے پرہیز واجب اور بزرگان حق کی تعظیم وتوقیر لازمی ہے۔

## منکرین کے اعتراضات اور انکے جوابات

(۱) وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗۤ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِیْنَ۔ (اور کون ہے گمراہ زیادہ اس سے جو پوجے سوائے خدائے تعالٰی کے اس چیز کو جو قبول نہ کرے، ان کے پوجنے کو قیامت تک، یعنی اگر قیامت تک ان کی پوجا کریں، تو وہ ہرگز جواب نہ دیں، اور بت ان کے پوجنے سے بے خبر ہیں اور نہیں سنتے ان کے پکارنے کو ہرگز، اور جس وقت قبروں سے اٹھ کر اکٹھے ہوں گے سب لوگ قیامت کے دن، بت ان کے دشمن ہوں گے، اور ان کے پوجنے کے منکر ہوں گے کہینگے بت کہ تم ہمیں نہیں پوجتے تھے، بلکہ تم نے اپنے جی کی خوشی کی تھی۔ (موضح القرآن)

آیت مذکورہ میں لفظ یَدْعُوْا بمعنے عبادت استعمال ہوا ہے جس کا فاعل کفار اور مشرکین ہیں جن آیات کے مصداق کفار اور بت ہیں، ان کے انبیاء کرام اور اولیائے کرام پر چسپاں کرنا

گمراہی کی دلیل ہے اور ایسی غلط فہمی پھیلانا فسادِ نیّت کا ثبوت ہے۔ جب کفار اور بتوں کا ذکر نہ کیا جائے، تو عوام یہی سمجھیں گے کہ انبیأ و اولیا کو پکارنا بھی شرک ہے۔ اِس آیت کے فقرہ آخر کَانُوْا بِعِبَادَتِہِمْ کَافِرِیْنَ پر غور کرو۔ کیا یہ منکرین کے مقصد کے خلاف شہادت نہیں یعنی وہ (بُت) کفار کی عبادت کا انکار کریں گے کہاں بتوں کے پجاری، ملائکہ کے پرستار حضرت عزیر و عیسیٰ علیہما السلام کو خدا کا بیٹا کہنے والے مشرک اور کہاں فرطِ محبت سے اَلصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رسول اللہ کہنے والے مومنِ کامل اگر خدا تعالیٰ بصیرت عطا فرمائے۔ تو ان باتوں میں امتیاز کرنا چاہیئے

## ہمارا عقیدہ

ہمارا عقیدہ ہے کہ اگر کسی نبی یا ولی کو پکارا جائے اور پکارنے سے غرض عبادت ہو تو یہ شرک ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ بات بھی یاد رکھنی ضروری ہے، کہ کوئی مسلمان انہیں بغرض عبادت نہیں پکارتا، نہ ایسے شرک کا ارتکاب کرتا ہے

(۲) قَالَ ھَلْ یَسْمَعُوْنَکُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ اَوْیَنْفَعُوْنَکُمْ اَوْیَضُرُّوْنَ، کہا حضرت ابراہیم نے کیا وہ بُت سنتے ہیں تمہارا بلانا جب تم انہیں پکارتے ہو، یا تمہیں کوئی فائدہ پہنچاتے ہیں، جو تم پوجتے ہو انہیں، یعنی کچھ بخشش یا انعام کرتے ہیں تم پر یا کسی طرح سے نقصان کرتے ہیں تمہارا اگر تم ان کا پوجنا چھوڑ دو۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے یہ باتیں پُوچھیں تو حیران ہوئے (موضح القرآن)۔

یہاں بھی کفار اور بتوں کا وہی قصّہ ہے جس کے متعلق اوپر عرض کیا جا چکا ہے۔

(۳) اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ عِبَادٌ اَمْثَالُکُمْ فَادْعُوْھُمْ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔ (تحقیق جن بتوں کو کہ بندگی کرتے ہو تم سوائے اللہ کے بندے ہیں تابعدار مانند تمہاری، پس دعا مانگو تم ان سے پس چاہیئے کہ قبول کریں وہ دعا تمہاری کو اگر ہو تم سچ بولنے والے کہ وہ خدا ہیں، اور چاہیئے کہ خدا بندے کی دُعا قبول کرے، یہاں تَدْعُوْنَ بہ معنی عبادت مستعمل ہُوا ہے، اور عبادت کے ہم بھی مقر نہیں۔

(۴) وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَکُمْ وَلَا اَنْفُسَھُمْ یَنْصُرُوْنَ۔ (اور جن بتوں کو کہ بندگی کرتے ہو تم سوائے اللہ کے نہیں طاقت رکھتے ہیں تمہاری یاری کرنے کی، اور نہ ذاتوں اپنی کی یاری کرتے ہیں، وہ جب کوئی توڑے یا انہیں پامال کرے۔

(۵) ولا تدع من دون اللّٰہِ مالا ینفعک ولا یضرک فان فعلت فانک اذا من الظّٰلمین - (اور نہ پکار سوائے اللہ تعالیٰ کے اس شئی کو جس کا پکارنا تجھے نفع نہ دے اور نہ کچھ ضرر دے، جو اس کو تو نہ پکارے، سو اگر تو نے ایسا کیا یعنی اس چیز کو جو نفع نہ دے پکارا تو اس وقت ظالموں سے ہوگا، اس لئے کہ اس کو پکاریگا جس کو نہ پکارنا چاہیئے۔

آیت نمبر ۴-۵ سے غیر خدا کو خدا سمجھ کر پکارنے کی ممانعت کی گئی ہے کیونکہ یہ غیر خدا کی عبادت ہے۔ نبی کو نبی، ولی کو ولی سمجھ کر پکارنا درانحالیکہ انہیں خدا تعالیٰ کی صفات سے متصف بالذات نہ تسلیم کیا جائے، کسی طرح ممنوع نہیں، اگر خدا کے سوا پکارا جائے جبکہ پکار سے غرض عبادت نہ ہو، تو کوئی نقص نہیں ورنہ زندوں اور نزدیک کے آدمیوں کو پکارنا بھی شرک ہوگا، اور اپنے ماں، باپ، بھائی، بہن، دوست، آشنا وغیرہ کو پکارنے میں بھی شرک کا امکان ہوگا۔

(۶) اِنَّ الَّذِین تدعون من دون اللّٰہ لن یخلقوا ذبابًا ولو اجتمعوا لہٗ وان یسلبھم الذباب شیئًا لا یستنقذوہ منہ ضعف الطالب والمطلوب -

(بیشک وہ لوگ جو پکارتے ہیں اور یاد کرتے ہیں، یعنی پوجتے ہیں، سوائے خدائے تعالیٰ کے بتوں کو، وہ بت بنا نہیں سکتے، اور پیدا کر نہیں سکتے، ایک مکھی کو بھی اگرچہ اس کام کے لئے سب بت اکٹھے ہوں تب بھی نہ کر سکیں، اور اگر مکھی بتوں سے کچھ لے جائے تو بت مکھی سے نہ لے سکیں سکتے ہیں۔ کافر شہد اور مرکہ بتوں کو لگا کر مکانوں کو خالی چھوڑ کر سب چلے جاتے ہیں۔ مکھیاں اسے کھاتیں۔ تو کہتے کہ ہمارے خداوں نے کھایا، اور خوش ہوتے خدا تعالیٰ اس امر کے بارے میں فرماتا ہے کہ بتوں کو اتنی قدرت حاصل نہیں، کہ وہ مکھیوں کو دور کر سکیں۔ (موضح القرآن)

غور کرنے کا مقام ہے کہ بتوں کی اس بے بسی کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر عاید کیا جا سکتا ہے۔ کہاں بتوں کی پرستش اور کہاں رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پکارنا جس سے غرض عبادت نہیں،

بہ بیں تفاوتِ راہ از کجاست تابکجا

(۷) اَفَحَسِبَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنۡ یَّتَّخِذُوۡا عِبَادِیۡ مِنۡ دُوۡنِیۡۤ اَوۡلِیَآءَ ؕ اِنَّاۤ اَعۡتَدۡنَا جَہَنَّمَ لِلۡکٰفِرِیۡنَ ۔ (کیا سمجھتے ہیں کافر جو پکڑیں گے قیامت کے دن میرے بندوں کو سوائے میرے دوست اپنا یعنی یہ کافر جو مجھے چھوڑ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور عزیر علیہ السلام کو خدا کہتے ہیں۔ اس واسطے کہ سمجھتے ہیں کہ قیامت میں وہ عذاب خدا سے چھڑا لیں گے۔ یہ غلط سمجھتے ہیں، وہ ہرگز چھڑا نہیں سکیں گے۔ بے شک ہم نے تیار کیا ہے، دوزخ کافروں کے واسطے پہلے سے مہمانی۔

(۸) وَّاَنَّ الۡمَسٰجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدۡعُوۡا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا ۔ اور سب مسجدیں خدا تعالیٰ کی ہیں، پھر مت پکارو یعنی مت یاد کرو ساتھ خدا تعالیٰ کے کسی ایک کو بھی یعنی اللہ تعالیٰ کا شریک کسی کو نہ کرو، جیسے یہودی عزیر علیہ السلام کو نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا بیٹا کہتے ہیں اور بیٹا باپ کے مال ملک کا وارث اور شریک ہوتا ہے (موضح القرآن)

منکرین نے یہ آیات بطور حجت فی غیر محلہ استعمال کی ہیں مسلمان جب کسی نبی یا ولی کو پکارتے ہیں تو نہ ان کی اس طرح پرستش کرتے ہیں، جس طرح کفار بتوں کی، نہ انہیں یہود و نصاریٰ کی طرح خدا کا بیٹا سمجھتے ہیں، بلکہ وہ انہیں خدا کے مکرم بندے سمجھتے ہیں اگر ان سے طلب امداد کرتے ہیں تو محض اس خیال سے کہ مدد کرنے کی طاقت خدا تعالیٰ نے ہی انہیں دی ہوئی ہے اور اصل توفیق دینے والا وہی ہے جس طرح خدا تعالیٰ نے مختلف اشیاء کے مختلف خواص بنائے ہیں، اسی طرح بزرگان دین کا خاصہ ہے کہ وہ بحکم الٰہی اپنے معتقدین کی جائز امداد کریں، ان کے بارے میں اگر کسی کا اعتقاد تجاوز کی حدود طے کرکے افراط یا تفریط کی طرف مائل ہو جائے تو بزرگان دین اس سے بالکل بری ہیں۔

(۹) فَاذۡکُرُوا اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰی جُنُوۡبِکُمۡ ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو کھڑے، بیٹھے اور کروٹوں پہ یاد کیا کرو، اس سے ذکر غیر اللہ شرک ثابت ہوتا ہے۔

اس آیت سے غیر اللہ کا ذکر شرک سمجھنا منکرین کی سینہ زوری ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کا ذکر بالواسطہ خدا کا ہی ذکر ہے۔ قرآن مجید میں ہے مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ، کلمہ طیبہ، نماز، حج، اذان، خطبہ و دیگر عبادات آپ کے ذکر کے بغیر نامکمل ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے، اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَیۡہِ

وَسَلِّمُوا تَسْلِیْمًا۔ یہاں مومنین کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھنے کا حکم ہے تو کیا یہ ذکر اور یہ آیت آیت مندرجہ عنوان کے معارض ہے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ منکرین نے قصور فہم سے آیت کا اصل مفہوم سمجھا ہی نہیں، کیونکہ اس آیت میں فَاذْکُرُوْا وجوب کے لئے نہیں، جواز کے لئے ہے یعنی کھڑے بیٹھے اور لیٹے خدا کا ذکر کرنے کی اجازت ہے، ممانعت نہیں، نہ نماز کی طرح ذکر میں خاص پابندیاں اور قیود ہیں۔

قرآن مجید میں متعدد پیغمبروں کے ذکر کے علاوہ کفار کا حال بھی بیان ہوا ہے تو کیا ان آیات کا پڑھنا ممنوع قرار دیا جائے گا کیونکہ ان میں غیر اللہ کا ذکر ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں التحیات میں السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، پڑھنا سکھایا لیکن آپ کی وفات کے بعد ہم نے السلام علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہنا شروع کر دیا جس سے ثابت ہوا کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کو خطاب کرنا درست نہیں۔

**جواب:** مقام غور ہے کہ آج اس حدیث پر عمل ہو رہا ہے یا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بتائے ہوئے طریقے پر اگرچہ بعض صحابہ نے اپنے اجتہاد سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بتائے ہوئے طریق کو بدلا، لیکن حدیث مرفوع کے مقابلے میں اس کی کیا اہمیت ہے اور جو صحابہ آپ کی زندگی میں آپ سے دور تھے، وہ بھی السلام علیک ہی کہتے تھے۔ کیا ان کے لئے ندائے غائب جائز تھی، نیز حاضر صحابہ بھی یہ کلمہ بالجہر تو نہیں کہتے تھے بلکہ دل میں ہی کہتے تھے۔ ایسی حالت میں حضور و غیب کا انفیا نہ ہی نہیں رہتا، نیز تمام آئمہ مجتہدین نے السلام علیک والی التحیات کو ہی اختیار فرمایا، اور اسے بدلنے کا حکم نہ دیا۔ پس اگر نماز میں السلام علیک یا ایہا النبی کہنا شرک نہیں، تو بعد نماز کیوں شرک ہوگا، اور نماز میں اس خطاب کو بحال رکھنا ہی اس امر کا ثبوت ہے کہ اس میں مطلق کسی قسم کی قباحت نہیں ہے بلکہ یوں کہنا ثواب ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کے مطابق ہے۔

خدا نے انبیاء کرام اور اولیائے عظام کی ارواح میں یہ وصف رکھا ہوا ہے کہ وہ دور

سے کسی کی پکار کو سن لیں اور اس کی مناسب مدد کریں، ارواح کی یہ قدرت ذاتی نہیں بلکہ وہبی ہے معلوم نہیں کہ منکرین کو اس اعتقاد میں کونسی قباحت معلوم ہوتی ہے جبکہ ارواح قید اجسام سے آزاد ہوتی ہیں اور ان کی قوت سمع و بصر پہلے کی نسبت بدرجہا بڑھ چکی ہوتی ہے۔ آج ریڈیو اور تار برقی کے ذریعے ہزاروں میل دور سمندر پار کی باتیں سن لیتے ہیں اور اس کی واقعیت کے متعلق ذرا بھی شک نہیں کرتے تو پھر قوت نبوت اور خدا کی قدرت میں شک کرنے کی کیا وجہ ہے۔

اب ہم رئیس غیر مقلدین مولوی وحید الزمان کی کتاب ہدیۃ المہدی میں سے کچھ اقتباسات نقل کرتے ہیں، وہ اس میں عقائد اہل حدیث بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ الدعا الشرعی عبادۃ کالصلوٰۃ فلا یجوز من غیر اللہ وهو المراد فی الآیات التی ورد فیها لفظ الدعا اللغوی بمعنی النداء فتجوز لغیر اللہ مطلقاً سواء کان حیاً او میتاً، دعائے شرعی عبادت کے معنی میں ہے جیسا کہ نماز پس وہ غیر خدا کے لئے جائز نہیں، اور ان آیات میں جن میں یہ لفظ وارد ہوا یہی معنی مراد ہیں۔ مگر دعائے لغوی نداء (پکارنا یا بلانا) کے معنی میں ہے اور یہ غیر اللہ کے لئے مطلقاً جائز ہے اور یہ جواز زندہ اور مردہ دونوں کے لئے یکساں ہے۔

نوٹ۔ مؤلف ہدیۃ المہدی کا یہ قول کہ جن آیات میں دعا کا لفظ وارد ہوا ہے عبادت کے معنی میں ہے کئی آیات کے خلاف ہے۔ منجملہ ان آیات کے ایک آیت یہ ہے۔ لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَاءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا۔ اگر مؤلف کے حسب منشا یہاں معنی عبادت ہی لئے جائیں، تو مفہوم میں کس قدر خرابی لازم آتی ہے، یہ امر اہل عقل پر الم نشرح ہے۔ یعنی آیت کا مطلب یہ نکلے گا "کہ جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کی عبادت کرتے ہو اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت نہ کرو" اور یہ بالکل صحیح عندیہ کے خلاف ہے پس دعا بمعنے پکارنا بھی وارد ہوا ہے۔

اسی کتاب میں لکھتا ہے۔ وثبت فی حدیث الاعمٰی یا محمد انی اتوجه بك الی ربی وفی حدیث اخر یا عباد اللہ اعینونی وقال ابن عمر حین ذل قدمه وا محمداه ولما دعا ملك الروم الشهداء فی تنصرانیه قالوا یا محمداه رواه ابن جوزی من صحابنا وقال اولیس القرنی بعد وفات عمر یا عمراه یا عمراه یا عمراه رواه هرم بن حیان و قال السید فی بعض توالیفه۔

سے قبلہ دو ... مردے کھڑے ... [illegible]

اور حدیث اعمیٰ میں لفظ ندا یا محمد ثابت ہو چکا ہے یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور دوسری حدیث میں بھی یعنے اے خدا تعالیٰ کے بندو میری مدد کرو۔ ندا ثابت ہو گئی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پاؤں پھسلا تو انہوں نے فرمایا، یا محمداہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جس وقت بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو نصرانیت کی طرف بلایا تو انہوں نے یا محمداہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہا، روایت کیا اس کو ابن جوزی نے ہمارے دوستوں سے اور حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت کی وفات کے بعد کہا، یا عمراہ یا عمراہ، یا عمراہ، روایت کیا اس کو ہرم بن حیان نے، اور سید (نواب حسن صدیق بھوپالی) نے رسالہ نفح الطیب) میں کہا، کہ اے قبلۂ دین اور کعبۂ ایمان مدد کیجئے، اے ابن قیم اور قاضی شوکانی مدد کیجئے۔"

آگے لکھتا ہے مجرد الندا لا نحکم بشرکھم کیف وقد نادیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قتلیٰ بدر یا فلان بن فلان یا فلان بن فلان وورد فی حدیث عثمان بن حنیف یا محمد انی اتوجہ بک الی ربی وصححہ البیہقی والجزری وقال الترمذی حدیث حسن صحیح وفی روایۃ یا رسول اللہ انی توجہت بک الی ربی وورد فی الحدیث یا عباد اللہ اَعِیْنُوْنِیْ، (پس مجرد ندا یعنی پکارنے سے ہم شرک کا حکم نہیں کرتے اور یہ ہو بھی کیونکر سکتا ہے جبکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مقتولین بدر فلاں ابن فلاں (ان کے نام لے لے کر) کہہ کہہ کر پکارا، اور عثمان بن حنیف کی حدیث میں وارد ہوا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آپ کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اس کو بیہقی اور جزری نے صحیح کہا، اور ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور صحیح کہا، اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آپ کے وسیلہ سے اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور ایک حدیث میں وارد ہے، کہ اے خدا تعالیٰ کے بندو میری مدد کرو۔

اور صفحہ ۲۵ میں لکھتا ہے۔ اما لو ظن احدٌ بان سماع النبی او سماع علی او سماع احد من الاولیاء اوسع من سماع عامۃ الناس بحیث یشمل سائر اقطار الاقلیم او سائر اقطار الارض فھذا لا یکون شرکاً للہ تعالیٰ قد اعطیٰ بعض الملٰئکۃ بل بعض

الحیوانات سمعًا و بصرًا قوی واوسع من سمع العامة وبصرھم روی الدیلمی فی مسند الفردوس و ابو یعلیٰ مرفوعًا فان اللّٰہ و کل ملکا عند قبری فاذا صلّ علیّ رجل من امتی قال الملک یا محمد ان فلان ابن فلان صلی اللّٰہ علیک الساعۃ ،

اور اگر کسی نے ظن کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ یا کسی ولی کی قوتِ سماعت عوام کی قوتِ سماعت سے زیادہ اور وسیع ہے۔ بحیثیت کہ وہ تمام اطراف ولایت کو شامل ہے تو یہ شرک نہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بعض فرشتوں بلکہ بعض حیوانات کو سمع و بصر کی طاقت عوام کی بہ نسبت قوی اور وسیع تر عطا کی ہے۔ دیلمی نے مسندِ فردوس میں ابو یعلیٰ سے یہ مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے میرے روضے کے پاس ایک فرشتہ متوکل کیا ہے جب میری امت میں سے کوئی شخص کسی وقت مجھ پہ درود شریف پڑھتا ہے تو وہ فرشتہ کہتا ہے کہ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ! فلاں ابن فلاں نے اس وقت آپ پر درود پڑھا، باقی احادیث سماعِ موتیٰ کے باب میں بیان ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

کلمہ شیئًا للہ کے متعلق منکرین فقہاء سے اس کا شرک ہونا پیش کرتے ہیں مگر فقہا اس کلمہ کے قائل کے کفر میں اختلاف رکھتے ہیں اور عدمِ کفر کو ترجیح دیتے ہیں۔ پس قول عدمِ کفر راجح اور قول کفریت شیئًا للہ مرجوع ہے اور اس قول کے مرجوع ہونے کی وجہ یہ لکھتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کو حضرت شیخ کا محتاج سمجھتے ہوئے شیخ سے کوئی چیز خدا کے لئے طلب کرے اور یہ صاف ظاہر ہے کہ ایسا لغو عقیدہ کسی اجہل مشرک کا ہو تو ہو مگر کسی سمجھدار مسلمان کا نہیں ہو سکتا۔ پس فقہاء نے ایسے عقیدے کو کفر لکھا ہے، نہ کہ اس عقیدہ کو جو صوفیائے کرام کا ہے۔ صاحب فتاوی خیر یہ فرماتے ہیں۔ وھٰذا لا یختلج فی خاطر احد یعنی حضرتِ شیخ کے متعلق ایسا خیال کسی کے دل میں نہیں گزرتا کہ حق تعالیٰ ان کا محتاج ہے، اور تمام فقہاء یہ قولِ راجح کا اتباع لازم ہے جیسا کہ دُرِ مختار میں ہے، واما نحن فعلینا اتباع ما رجحوہ وما صححوہ کما افتوا فی حیاتھم الخ پس ہم پر اس چیز کی تابعداری لازم ہے جس کو انھوں نے ترجیح دی اور صحیح فرمایا، جیسا کہ علمائے سابقین نے اپنی زندگی میں فتویٰ دیا تھا اور ردالمختار یعنی شامی میں اس قول کے نیچے فرماتے ہیں، لا یسعنا فی مخالفتھم یعنی ہمیں ان کے مخالفت کی گنجائش نہیں، درِ مختار

میں ہے کہ قول مرجوع پر حکم کرنا اور فتویٰ دینا جہالت اور خرقِ اجماع ہے یعنی اجماع کو توڑنا ہے اور ردالمختار میں فرمایا کہ قولِ مرجوع منسوخ ہوتا ہے، اور اشباہ وغیرہ میں تحریر ہے کہ منسوخ پر عمل کرنا حرام ہے، صاحبِ خیریہ فرماتے ہیں، مَن قال شیئاً لِلّٰہ قال بعض یکفر ولا وجہ کذالک احد کہ جس کسی نے شیئاً للہ کہا وہ بعض کے نزدیک کافر ہے حالانکہ اس کے کفر کی کوئی وجہ نہیں۔

منکرین یہ بھی کہتے ہیں کہ فقہاء کلمہ مختلفہ کے قائل کو اگرچہ اس کی تاویل ہی کیوں نہ کی گئی ہو معذور نہیں سمجھتے۔ ان کا یہ قول محض جھوٹ اور افتراء ہے۔ کتبِ فقہ میں قولِ منکرین پر اتفاقِ فقہاء ثابت نہیں بلکہ قائل کلمہ مختلفہ ماولہٗ (تاویل کیا گیا) کے متعلق حکم ہے کہ قاضی اور مفتی کو چاہیئے کہ قائل کی تاویل قبول کریں، حضرت ملاّ علی قاری شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں

ولو قال لسلطان زماننا عادل یکفر لانہ جائرٌ بیقین ومن سمی الجور عدلاً یکفر وقیل لا لان لہٗ تاویلہٗ وھو ان یقول اردت بہ انہٗ عادل عن غیرنا او ھو عادل عن طریق الحق قال اللّٰہ تعالٰی ثُمَّ الّذین کفروا بربھم یعدلون انتھی وحاصلہ ان نقطھا عادل یحتمل کونہ اسم فاعل من عدل عدلہ ظلم وجار او من عدل عدولاً ای اعراضاً فاذا کان اللفظ محتملاً فلا یحکم بکونہ کفراً الا اذا صرح بانہ نوی المعنی الاول فتامل ونظیرہ فی المعاملات ما ذکروا فی الطلاق والعتاق من الکنایات فانھا یتوقف حکمھا علی النیات لا سیما وقد ذکروا ان المسئلۃ المتعلقۃ بالکفر اذا کان لھا تسع وتسعون احتمالا لکفر واحتمال واحد فی نفیہ فالاولٰی للمفتی والقاضی ان یعمل باحتمال النافی لان الخطاء فی ابقاء الف کافر اھون من الخطاء فی افناء مسلم واحد وفی مسئلۃ المذکورۃ تصریح بانہ یقبل من صاحبھا التاویل فلانا لما ذکرہ بعضھم علی خلاف ھذا القبیل۔ (اگر کوئی کہے کہ ہمارے زمانے کا بادشاہ عادل ہے تو وہ کافر ہو جاتا ہے، اس لئے کہ وہ بادشاہ یقیناً ظالم ہے اور جو کوئی ظلم کا نام عدل رکھے تو وہ کافر ہو جاتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ کافر نہیں ہوتا کیونکہ اس کلمے کی تاویل صحیح ہے جبکہ قائل کا اس کلمے سے یہ ارادہ تھا کہ یہ بادشاہ دوسرے بادشاہوں کی

بہ نسبت عادل ہے، یا حق سے رُوگردانی کرنے والا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے، کہ کافر اپنے رب سے منہ پھیرنے والے ہیں پس عدل ذو معنی ہُوا) حاصل کلام یہ کہ لفظ عادل احتمال رکھتا ہے کہ یہ عدل (ضد ظلم) سے اسم فاعل ہے اور عدول (منہ پھیرنے والا) کے معنی میں بھی ہے پھر جب ایک لفظ کئی معنوں میں مستعمل ہو تو قائل کے کفر پر حکم نہ کیا جائے گا جب تک کہ وہ اس کی تصریح نہ کرے اور اس کی نیت معنیٰ کفر کی طرف ہو پس اس میں تاویل کرنا چاہیئے اور اس کی مثال معاملات طلاق و عتاق میں ہے کہ ان میں کنایات مذکورہ ہوتے ہیں اور کنایات کا حکم نیت پر موقوف ہوتا ہے جس کا ذکر مجتہدین اور محققین نے کیا ہے کہ جب کوئی مسئلہ کفر کے متعلق ہو، اور اس مسئلہ کفر میں ننانوے وجوہات کفر کی ہوں اور ایک وجہ نفی کفر کی ہو، ایسی حالت میں مفتی اور قاضی کے لئے لازم ہے کہ نفی کفر کی وجہ کو ملحوظ رکھیں کیونکہ ہزار کافر کو کفر میں چھوڑنے کی خطا ایک مسلم کو فنا میں ڈالنے سے آسان ہے اور مسئلہ مذکورہ میں مجتہدین نے ان معنی میں تصریح کی ہے کہ قائل کلمہ مختلفہ کی تاویل قبول کی جائے بشرطیکہ وہ صحیح تاویل کرے۔ بعض فقہاء نے اس کے خلاف بھی کیا ہے۔ الخ

اکابر اولیائے امت و اجلہ علمائے ربانی میں سے بے شمار حضرات اس کلمہ کے قائل ہیں جن کی تعداد احاطۂ شمار سے باہر ہے، حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ بانی طریقہ نقشبندیہ نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے جنازے کے آگے یہ دو شعر پڑھیں۔

مُفلسانیم آمدہ در کوئے تو      شیئاً للہ از جمال رُوئے تو
دست بکشا جانب زنبیل ما      آفریں بر دست و بر بازوئے تو

حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ نے بکمال ادب ایسا کیا تھا اور کہا تھا کہ ہمارے جنازے کے آگے فاتحہ کلمۂ طیب، یا کوئی آیت پڑھنا سوء ادب ہے اس لئے یہ شعر پڑھے جائیں۔ شاہ صاحب مذکور فرماتے ہیں کہ میں بھی کہتا ہوں کہ میرے جنازے کے آگے بھی یہی دو شعر پڑھے جائیں نیز آپ نے لکھا ہے کہ میں ایک دن حضرت خواجہ قطب الدین کے مزار اقدس پر حاضر ہوا اور شیئاً للہ کہا۔ اتنے میں میں نے دیکھا کہ ایک حوض پانی سے لبریز ہے اور اس کا پانی کناروں سے گر رہا ہے، مجھے القاء ہوا کہ تیرا سینہ

نسبتِ مجددیہ سے معمور ہے، اس میں کسی دوسری نسبت کی گنجائش نہیں شیخ المشائخ جناب شہاب الدین سہروردی ربانی طریقہ سہروردیہ اپنی کتاب عوارف المعارف میں لکھتے ہیں

کان الصالحون یسئلون الناس عند الفاقتہ ونقل عن ابی سعید الخزاز انہ یمدیدہ عند الفاقتہ ویقول شیئاً للہ یعنی نیک آدمی بھوک کے وقت لوگوں سے سوال کرتے تھے اور ابی سعید خراز سے منقول ہے کہ بھوک کے وقت لوگ ہاتھ دراز کرتے تھے اور شیئاً للہ کہتے تھے۔

مواہب اللدنیہ میں ہے کہ ایک شخص پھٹے پرانے کپڑے پہنے حضرت شیخ ابوالحسن قطب شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس آیا اور آپ کے اچھے لباس پر اظہارِ تعجب کیا حضرت موصوف نے فرمایا یا ھٰذا ھیئتی تقول الحمد للہ وھیئتک ھٰذہ تقول شیئاً للہ، یعنی میری صورت الحمد للہ کہتی ہے اور تیری صورت شیئاً للہ کہتی ہے۔

تمت بالخیر

## ایک بے مثال تفسیر

اعتقادی اور نظریاتی نشو ونما کا مُرقع

ایک سو (۱۰۰) سے زائد تفاسیر کا نچوڑ

عقائد باطلہ کا مسکت رَد

شریعت و طریقت کے اسرار و رموز کا جامع ذخیرہ

صوفیانہ اشارات و تنقیحات کا چشمہ

آپ اس تفسیر کو خود پڑھیں

احباب کو پڑھنے کی ترغیب دیں۔

اپنے کُتب خانہ کی زینت بنائیں۔

یہ تفسیر آپ کو بہت سی تفاسیر کے مطالعہ سے بے نیاز کرے گی